بیادگار، مخدوم العالم قطب بنگال، گنج نبات شیخ عمرؒ علاء الحق پنڈوی رحمۃ اللہ علیہ
October - December 2021
سہ ماہی
پیغام مصطفیٰ
اتر دیناجپور
بنگال میں مسلمانوں کے مسائل
عید میلاد النبی اور ہماری ذمے داریاں
زنا سے حرمت مصاہرت کا ثبوت
گداگری: پیشہ یا مجبوری؟
نسل نو اور منشیات کا پھیلتا زہر
لاک ڈاؤن میں خلد آشیاں ہونے والے اتر دیناج پور کے چند علما
مدیر اعلیٰ
محمد ساجد رضا مصباحی

بیادگار: مخدوم العالم قطب بنگال، گنج نبات شیخ عمر علاء الحق پنڈوی رحمۃ اللہ علیہ

بفیض روحانی: تارک السلطنت سیدنا حضور مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ

بفیض روحانی: مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان

زیر سرپرستی خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مولانا مفتی عبد الغفور صاحب

جلد ۳ — شمارہ ۲

سہ ماہی

پیغامِ مصطفیٰ

اتر دیناجپور

اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۲۱ء

مجلسِ ادارت	مجلسِ مشاورت	مجلسِ مشاورت
مدیر اعلیٰ: محمد ساجد رضا مصباحی	مفتی محمد ذوالفقار علی رشیدی مصباحی	مولانا مختار عالم مصباحی
نائب مدیر: غلام محمد ہاشمی مصباحی	مفتی محمد شعیب عالم قادری نعیمی	مولانا محمد اشتیاق احمد مصباحی
معاون مدیر: محمد عسجد رضا قادری	مفتی محمد عارف حسین قادری مصباحی	مولانا محمد عابد حسین مصباحی
سرکولیشن مینیجر: مولانا محمد مظفر حسین رضوی	مفتی محمد مبشر رضا ازہر مصباحی	مولانا احمد رضا قادری
مینیجر: محمد وسیم رضا	مفتی فداء المصطفیٰ مصباحی	مولانا محمد شارب ضیاء مصباحی
		مولانا محمد سبحان رضا مصباحی

ترسیلِ زر و مراسلت کا پتہ

تنظیمِ عاشقانِ مصطفیٰ

شاہ پور بازار تھانہ گوالپوکھر ضلع اتر دیناجپور بنگال ۷۳۳۲۱۰

E-mail:
paighamemustafa2018@gmail.com
Mob.: 9734927165-9473927746
7405410736

• قیمت عام شمارہ: ۳۰ • سالانہ ۱۲۰

زیر اہتمام

مولانا محمد عسجد رضا قادری

بانی تنظیم عاشقانِ مصطفیٰ، شاہ پور بازار، علاقہ گوالپوکھر ضلع اتر دیناجپور بنگال

ناشر

تنظیمِ عاشقانِ مصطفیٰ

شاہ پور بازار، علاقہ گوالپوکھر ضلع اتر دیناجپور بنگال

مشمولات

اداریہ

بنگال میں مسلمانوں کے مسائل

محمد ساجد رضا مصباحی

مسلمان ملک کے ہر صوبے میں طرح طرح مسائل سے دوچار ہیں، کہیں ان کے تحفظ کا مسئلہ ہے، کہیں ان کے معاش اور روزگار کا مسئلہ ہے، کہیں ان کے ساتھ مذہبی تعصب کا مسئلہ ہے، کہیں انھیں اپنی بقا کی جنگ لڑنی پڑ رہی ہے تو کہیں سیاسی وجود کو ثابت کرنے کے لیے جدوجہد کرنی پڑ رہی ہے اور کہیں یہ سارے مسائل ایک ساتھ مسلمانوں کا دائرۂ حیات تنگ کر رہے ہیں۔
بنگال ملک کا ایک اہم صوبہ ہے، جو تہذیب وثقافت، امن وآشتی، اخوت و محبت، سماجی و معاشرتی ہم آہنگی اور علم وادب کے حوالے سے جانا جاتا ہے، یہاں کے مسلمان قومی سیاست میں ہمیشہ موضوع بحث رہتے ہیں، مغربی بنگال میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق 27/ فیصد اور غیر سرکاری ذرائع کے مطابق 30/ فیصد آبادی مسلمانوں کی ہے۔ مالدہ، مرشد آباد اور اتر دیناج پور خاص طور سے مسلم اکثریتی اضلاع شمار ہوتے ہیں۔ بنگال کے مسلمان آزادی کے بعد سے ہی مسائل کے شکار رہے ہیں، 75/ سالوں میں کئی سیاسی پارٹیوں نے بنگال پر حکمرانی کی، حکومتیں بدلیں لیکن مسلم مسائل جوں کے توں رہے، ان 75/ سالوں میں یہاں کے مسلمان نہ تو تعلیم کے میدان میں خاطر خواہ آگے بڑھ سکے اور نہ ہی معاشی اعتبار سے مستحکم ہو سکے، وہ کل بھی سیاسی پارٹیوں کے لیے ووٹ بینک تھے اور آج بھی ان کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ تقسیم وطن کے بعد سے ہی جان بوجھ کر مرکزی اور ریاستی حکومتوں نے مغربی بنگال کے مسلمانوں کو پس ماندگی اور غربت وجہالت میں چھوڑ دیا ہے، خود مسلمانوں نے بھی 75/ سال سے اس افسوس ناک غربت سے نکلنے کے لیے کوئی خاص جدوجہد اور محنت ومشقت نہیں کی ہے۔ المیہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے درمیان کوئی ایسا ترقی پسند قائد نہیں ابھرا جو ان کے اندر انقلابی روح پھونک سکے، جتنے بھی سیاسی قائدین ان علاقوں سے منتخب ہو کر اسمبلی اور پارلیمنٹ میں نمائندگی کرتے رہے، انہیں مسلمانوں کی عمومی صورت حال سے کوئی سروکار نہیں رہا اور نہ ہی مسلمانوں کو پسماندگی سے نکالنے کے لئے کوئی ٹھوس اقدامات کیے۔

تعلیم، صحت، ٹرانسپورٹ، معاش، روزگار، ملازمت اور زندگی کے ہر شعبے میں یہاں کے مسلمان پچھڑے ہی رہے، یہ کوئی پانچ دس سال کی غلط پالیسیوں کا نتیجہ نہیں بلکہ ساٹھ ستر سال کی بے توجہی کا شاخسانہ ہے۔ مسلم علاقوں کی بدتر صورت حال کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ ہمارے ضلع اتر دیناج پور میں 2011ء کی مردم شماری کے اعتبار سے 49٫92 فیصد مسلم آبادی ہے، حالاں کہ غیر سرکاری اعداد وشمار کے اعتبار سے یہاں تقریباً 60/ فیصد مسلم آبادی ہے، اس کثیر مسلم آبادی والے ضلع میں تعلیمی اداروں کی شدید قلت ہے، آج بھی اتر دیناج پور کے کئی بلاک ایسے ہیں جہاں بچوں اور بچیوں کو ہائی اسکول کی تعلیم کے لیے دس سے پندرہ کیلو میٹر کی مسافت

روزانہ طے کرنی پڑتی ہے، کئی بار سڑک حادثات بھی رونما ہوتے ہیں اور بچیاں تحفظ کے مسائل کی شکار ہوتی ہیں، ان علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کے لیے اعلیٰ تعلیم کا حصول مزید مشکل ہوجاتا ہے، انھیں گریجویشن کے لیے بھی بڑی مشقتوں کا سامنا ہوتا ہے، ہائی اسکول کی تعلیم جیسے تیسے مکمل کرنے کے بعد اکثر بچے کشن گنج بہار کا رُخ کرتے ہیں جہاں ان کے ساتھ کئی طرح کے مسائل پیش آتے ہیں، مائیگریشن کارڈ کے لیے دفاتر کا چکر لگانا پڑتا ہے۔ ابتدائی تعلیم کے لیے جو پرائمری اسکول ہیں ان کا نظام تعلیم اس قدر غیر منظم ہے کہ لوگ اپنے بچوں کو ان اسکولوں میں بھیجنا گوارہ نہیں کرتے، ادھر چند سالوں سے مڈ ڈے میل اور سرکاری وظائف نیز مفت ڈریس کے نام پر کچھ بچے ان اسکولوں میں جانے لگے ہیں لیکن وہ بھی ''کھچڑی خوری'' تک ہی محدود ہے۔ سچر کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں کہا تھا کہ پرائمری اسکولوں میں مسلم بچوں کی شرح 50/فیصد کے قریب ہے جو مڈل اسکول جاکر 26/فیصد ہوجاتا ہے اور ہائی اسکول تک صرف 12/فیصد مسلم بچے ہی پہنچ پاتے ہیں۔ اس رپورٹ کے بعد اقتدار کی کرسی تو بدلی لیکن اس بدتر تعلیمی صورت حال کو سدھارنے کے لیے خاطر خواہ کوشش نہیں ہوئی۔ یہاں کے سیاسی قائدین نے کبھی بھی تعلیم اور تعلیم گاہوں کے مسائل کو ترجیحی طور پر حل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اس جُرم میں یہاں کی عوام بھی برابر کی شریک ہے، عوام بھی سیاسی قائدین سے پُرزور انداز میں اعلیٰ تعلیمی اداروں کی مانگ نہیں کرتی، عوام کی اکثریت نفع عاجل پر یقین رکھتی ہے، جو چھوٹی موٹی اسکیموں سے پورا ہوجاتا ہے، نسلوں کی بقا اور مستقبل کی تابناکی ان کے نزدیک معنی نہیں رکھتی، اپنے قیمتی ووٹوں کو دو چار سو میں بیچنے والے ووٹر اپنے سیاسی قائدین سے مضبوط انداز میں کس منھ سے مطالبہ کریں گے۔

2001ء کی مردم شماری کے مطابق مغربی بنگال کے مسلمانوں میں تعلیمی شرح 7ء57 فیصد ہے مگر 2011ء کی مردم شماری میں تعلیمی شرح بڑھ کر 74ء68 فیصد ہوگئی ہے جب کہ قومی سطح پر مسلمانوں میں تعلیمی شرح 53ء68 فیصد ہے۔ مردم شماری کے اعداد و شمار کے مطابق بنگال میں 15ء6 کروڑ افراد تعلیم یافتہ ہیں یعنی کل آبادی کا 53ء68 فیصد افراد تعلیم یافتہ ہیں، جس میں 5ء4 کروڑ ہندو شامل ہیں بقیہ 4ء23 فیصد افراد مسلمان ہیں۔ ریاست میں کل 9ء2 کروڑ افراد غیر تعلیم یافتہ ہیں جس میں 86ء1 کروڑ افراد ہندو ہیں اور 2ء1 کروڑ مسلمان ہیں۔ مغربی بنگال میں مسلمانوں کی آبادی 01ء27 فیصد ہے یعنی ریاست میں 12ء9 کروڑ مسلم آبادی ہے۔ مردم شماری کے اعداد و شمار یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ریاست کے 5ء41 فیصد مسلمان پڑھنا لکھنا نہیں جانتے ہیں۔ [یہ اعداد و شمار نیوز18 کی اردو ویب سائٹ– https://urdu.news18.com سے ماخوذ ہیں]

صحت کا شعبہ پورے ملک میں لوٹ کھسوٹ کا شعبہ بن گیا ہے، سرکاری اور غیر سرکاری دونوں طرح کے اسپتالوں میں مریضوں کے ساتھ جو ظلم و زیادتی ہوتی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، بنگال کے مسلم علاقے اور مسلم آبادیاں خاص طور سے ان مظالم کا شکار ہیں، دیہی علاقوں میں ابتدائی علاج کے لیے جو ہیلتھ سینٹر بنائے گئے ہیں وہ محض شو پیس بن کر رہ گئے ہیں، ڈاکٹر اکثر غائب رہتے ہیں، افسران کی لاپروائی سے گورنمنٹ کی جانب فراہم کی جانے والی طبی سہولیات عوام تک نہیں پہنچ پاتیں، بلاک سطح کے اسپتالوں کی صورت حال بھی ناگفتہ بہ ہے، یہاں دلالوں کی بالادستی چلتی ہے، علاج کے نام پر کوئی سہولت دستیاب نہیں ہے، چھوٹے موٹے مریضوں کو بھی ضلع اسپتال ریفر کرنا یہاں کے ملازمین کے روز کا کھیل ہے۔ ہمارے ضلع اتر دیناج پور کے اکثر افراد بہتر علاج کے لیے کشن گنج اور پورنیہ کے پرائیوٹ کلینک جانے پر مجبور ہیں، جب کہ یہاں کے ڈاکٹر ''معالج'' کم ''قصائی'' زیادہ ہیں، معمولی سردی کھانسی

کے مریض کو دن بھر لائن میں بٹھا کر تین ہزار سے کم میں واپس نہیں آنے دیتے، روز تین سے چار سو کمانے میں والا مزدور دس بارہ دن کی کمائی ایک ہی دن میں ان ظالم ڈاکٹروں کی جھولی میں ڈال آتا ہے، ایسے میں ان مسلمانوں کے یہاں معاشی خوش حالی کیسے آئے گی؟ ۔ حکومت کی ذمے داری ہے کہ سرکاری اسپتالوں کو فعال بنائے، قابل ڈکٹروں کو تعینات کرے، اور غفلت برتنے والے ڈاکٹروں کو کڑی سے کڑی سے سزا دے۔ حکومت نے صحت کے شعبے کو مستحکم بنانے اور مریضوں کو مفت علاج فراہم کرنے کے لیے حال ہی میں کئی اسکیمیں لانچ کی ہیں، ان اسکیموں سے یہ شعبہ کس قدر مستحکم ہوگا یہ تو آنے والا قت ہی بتائے گا۔

بنگال میں سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی حصے داری کا مسئلہ بہت پرانا ہے، کمیونسٹ حکومت نے اپنے طویل دورِ اقتدار میں بنگال میں امن وامان قائم رکھنے میں تو کامیابی حاصل کی، لیکن مسلمانوں کو دانستہ یا نادانستہ ہر میدان میں بہت پیچھے کر دیا، تین دہائی سے زائد کمیونسٹ پارٹی کی حکومت یہاں رہی، ان تین دہائیوں کے اندر مسلمان نہ تو تعلیم کے میدان میں آگے بڑھ سکے اور نہ سرکار ی ملازمتوں میں ان کی حصے داری رہی، یہی وجہ ہے کہ 2006ء میں جب سچر کمیٹی کی رپورٹ آئی تو بنگال میں مسلمانوں کی بدترین صورت حال کا صحیح نقشہ دنیا کے سامنے آیا۔

2006ء میں بایاں محاذ کے دورِ حکومت میں جسٹس راجندر سچر کمیٹی کی رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ بنگال کی سرکاری ملازمتوں میں [گروپ اے اور بی] میں مسلمانوں کی شرح 7ء4 فیصد، گروپ سی اور ڈی میں مسلمانوں کی نمائندگی کی شرح 2ر فیصد یعنی اوسطا سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی شرح نمائندگی 4ء3 فیصد ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو گزشتہ ایک دہائی میں مسلمانوں کی سرکاری ملازمت میں دو فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ڈیڑھ دہائی میں نمائندگی کی شرح میں محض 2ر فیصد کا اضافہ ہوا ہے تو پھر آبادی کے لحاظ سے یکساں مواقع ملنے میں تو صدیاں بیت جائیں گی۔

اب ریاست میں گیارہ سالوں سے ترنمول کانگریس کی حکومت ہے، جو نسبتاً فرقہ پرست سیاسی پارٹیوں سے بہتر اور مسلمانوں کے مفادات کے تئیں قدرے سنجیدہ ہے، ان گیارہ سالوں میں بنگال حکومت کی جانب سے کئی قابل تعریف کام بھی ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے یہاں کے مسلمانوں نے تیسری بار ترنمول کانگریس کی حکومت بنانے میں اہم رول ادا کیا ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے بنیادی مسائل آج بھی اسی حال پر ہیں جوں بایاں محاذ کے دورِ حکومت میں تھے، تعلیم اور روزگار کے مسائل سب سے بنیادی حیثیت کے حامل ہیں، واضح اکثریت کے ساتھ بنگال کی اقتدار کی کرسی پر تیسری بار براجمان ہونے کے بعد بھی اگر ترنمول گانگریس مسلمانوں کے ان مسائل کی طرف خصوصی توجہ نہیں دیتی ہے تو یہاں کے مسلمانوں کو راشٹریہ سہارا پورٹل میں شائع فاروق اعظمی صاحب کے اس تجزیے پر یقین ہونے لگے گا کہ:

"کہ ترنمول کانگریس نے اپنی 10ر برسوں کی حکومت میں مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور انہیں مین اسٹریم میں لانے کی کوئی کوشش ہی نہیں کی ہے اور نہ سچر کمیشن کی سفارشات کے مطابق کوئی عملی اقدام کیا ہے۔ مسلمانوں میں تعلیم کی شرح بھی وہی ہے جو آج سے دس سال قبل بایاں محاذ کے زمانے میں تھی۔ نئے اسکول، کالج کھولے جانے کے بجائے درجنوں اسکول بند ہو چکے ہیں۔ خاص کر مسلم اکثریتی اضلاع میں صورت حال انتہائی سنگین ہے۔ روزگار کے معاملے میں بھی مسلمان پوری ریاست کے منظرنامہ سے غائب ہیں۔ اضلاع کی مسلم آبادی کی ماہانہ فی کس آمدنی 2500 سے 3000 ہزار روپے کے درمیان ہے۔ روزگار کے لیے لاکھوں کی تعداد میں مسلم

نوجوان دوسری ریاستوں میں ہیں۔"[سیاسی کش مکش میں مبتلا بنگال کے مسلمان۔از:فاروق اعظمی۔https://roznamasahara.com/]

بنگال کے مسلمانوں کا ایک بڑا مسئلہ معاش اور روزگار ہے، یہاں روزگار کے مواقع فراہم نہ ہونے کی وجہ سے انھیں دوسرے صوبوں کا رخ کرنا پڑتا ہے، جہاں ان کے ساتھ توہین آمیز رویہ اختیار کیا جاتا ہے، مسلم علاقوں میں فیکٹریاں نہ ہونے کے برابر ہیں ،مزدور طبقے کے پاس کھیتی باڑی کے علاوہ کوئی دوسرا کام نہیں ہے، اچھے خاصے پڑھے لکھے نوجوان بھی ملازمت اور اپنے وطن میں ذریعہ معاش نہ ہونے کے سبب دوسرے صوبوں میں دھکے کھا رہے ہیں۔

سرکاری دفاتر میں مسلمانوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں ہوتا،افسر شاہی بنگال میں بایاں محاذ کے دورِ حکومت میں بھی تھی، آج بھی ہے، افسران جان بوجھ کر کاموں کو لٹکاتے ہیں، ٹال مٹول ان کی روش بن چکی ہے، گاؤں دیہات کے سیدھے سادے افراد چھوٹے موٹے کاموں کے لیے کئی کئی دنوں تک آفس کا چکر لگاتے ہیں، پنچایت آفس تک کے تیسرے درجے کے ملازم بھی سیدھے منھ بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے، اعلیٰ افسران کی تو بات ہی الگ ہے، پولیس کا محکمہ رشوت خوری اور دلالی سارے محکموں کو پیچھے چھوڑ چکی ہے، الیکشن سے قبل ترنمول کانگریس نے اس سلسلے میں ایک اچھی پہل "دوارے سرکار" کے نام سے کی تھی، اس مثبت پیش رفت کو ہمیشہ باقی رکھنا چاہیے اور ہفتے میں ایک دن ہر پنچایت کے تحت کیمپ لگاکر مسائل کا تصفیہ کرنا چاہیے، مسلم علاقوں میں بینکوں کی بھی شدید قلت ہے، آج ہر فرد کا بینک اکاؤنٹ لازمی ہو گیا ہے، ایسے میں انھیں کئی کئی کیلومیٹر کا سفر کر کے بینکوں کی لمبی قطاروں میں گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا ہے، اس مسئلے کا حل حکومت کو ترجیحی بنیادوں پر نکالنے کی ضرورت ہے۔

چند سال قبل سے ممتا حکومت ائمۂ مساجد اور موذنین کو مشاہرے دے رہی ہے، یہ ایک اچھی پیش رفت ہے، لیکن اسے وقف بورڈ کی عارضی اسکیم کے تحت نہ رکھ کر اس سلسلے میں باضابطہ بل پاس کر کے ان ائمہ کی ملازمت کو مستقل کر دینی چاہیے، اگر ایسا نہیں ہوا تو مستقبل میں کوئی دوسری حکومت آنے پر اس اسکیم کو ختم کرنے میں ذرا بھی وقت نہیں لگے گا۔ اس اسکیم میں کئی طرح کے اصلاحات کی ضرورت ہے، اکثر مساجد میں ائمہ کرام اپنے فرائض انجام نہیں دے رہے ہیں، اس سلسلے میں حکومتی سطح پر نگرانی اور جانچ پڑتال کا بھی کوئی نظم نہیں ہے، جس کی وجہ سے آئے دن تنازعات پیدا ہو رہے ہیں، اکثر مساجد میں اسی وجہ سے اختلاف و انتشار کی صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔

بنگال کے مسلمانوں کا ایک اہم مسئلہ ان کی شناخت اور ان کی شہریت کا ہے، بنگلہ دیشی در اندازوں کے بہانے صدیوں سے یہاں آباد مسلمانوں کو بھی بنگلہ دیشی ہونے کا طعنہ دیا جاتا ہے، بلکہ ڈرایا اور دھمکایا جاتا ہے۔2019ء میں جب این آر سی کا اعلان ہوا تو سب سے زیادہ خوف و ہراس بنگالی مسلمانوں ہی کے تعلق سے پھیلایا گیا، سارے ثبوت اور دستاویزات کو پس پشت ڈال کر انھیں بنگلہ دیشی قرار دینے کی سازش انتہائی تکلیف دہ ہے، یہاں کے مسلمان اس سلسلے میں بہت ہی اضطراب کے شکار ہیں، اور جوں جوں این آر سی کی سرگرمیاں تیز ہوتی ہیں، مسلم سماج کی بے چینی بھی بڑھ جاتی ہے، ان کے درمیان عدم تحفظ کا احساس بڑھنے لگتا ہے، یقینا بنگال کے مسلمانوں کو اس اضطرابی کیفیت سے نکالنے کے لیے ریاستی و مرکزی حکومت کو خاطر خواہ اقدام کرنا چاہیے۔

❁❁❁

مصائب وآلام پر صبر قرآن کی روشنی میں

مولانا مولانا محمد شارب ضیا مصباحی: رکن آئینہ ہند اکیڈمی، اتر دیناج پور، بنگال

مصائب وآلام سب پر آتے ہیں، نیکوں پر بھی اور بدوں پر بھی ،لیکن سب کے اسباب وعوامل ایک نہیں ہوتے، بلکہ مختلف ہوا کرتے ہیں ۔انبیاے کرام علیہم السلام پر جو مصائب آئے وہ ان کے درجات کی بلندی کے لیے آئے ،صالحین پر جو مصیبتیں آتی ہیں وہ ان کے امتحان وآزمائش کے لیے آتی ہیں، کافروں اور زندیقوں پر مصائب ان کی توہین کے لیے آتے ہیں، دیوانوں اور بچوں پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے والدین کے لیے اجروثواب کا باعث بنتے ہیں اور عام مومنین پر جو مصائب آتے ہیں وہ ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں۔

مصیبتوں اور کلفتوں سے گھبرانا اور دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے، خواہ وہ مصائب کتنے ہی سخت اور مہلک کیوں نہ ہوں، یہ مصائب ہم گنہ گاروں پر ہمارے گناہوں کے سبب آتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم سب پر بڑا کرم اور بہت بڑی نعمت ہوا کرتے ہیں۔ دنیا کے یہ شدائد جو ہم گاہے بگاہے برداشت کر لیتے ہیں آخرت کے عذاب کے مقابلے میں بہت حقیر اور معمولی ہیں۔ رب تعالیٰ دنیا کی معمولی دقت دے کر درحقیقت ہمیں آخرت کے عذاب شدید سے آزاد فرما دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ یَعْفُوْا عَنْ كَثِیْرٍ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اور تمہیں جو مصیبت پہنچی وہ اس کے سبب سے ہے جو تمھارے ہاتھوں نے کمایا ہے اور بہت کچھ تو وہ معاف فرما دیتا ہے۔ [الشوریٰ، آیت:30]

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں صدرالافاضل بدرالاماثل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا:

یہ خطاب مومنین مکلفین سے ہے جن سے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ دنیا میں جو تکلیفیں اور مصیبتیں مومنین کو پہنچتی ہیں اکثر ان کا سبب ان کے گناہ ہوتے ہیں۔ ان تکلیفوں کو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

جمہور مفسرین اور شارحین حدیث کے نزدیک بھی یہی ہے کہ مومنوں کے اوپر جو مصائب دنیا میں آتے ہیں وہ ان کے سابقہ گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں۔

صحیح بخاری میں ہے: مسلمان پر جو بھی مصیبت آتی ہے خواہ وہ تھکاوٹ ہو یا مرض، فکر ہو یا غم یہاں تک کہ اگر کانٹا بھی چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان سب کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔ [صحیح بخاری: کتاب المرضیٰ: باب ماجاء فی کفارۃ المرض: ج:2، ص:3]

صحیح مسلم میں ہے: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ تاجدار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن کو کانٹا چبھے یا اس سے کوئی بڑی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے یا اس کی ایک خطا مٹا دیتا ہے۔ [صحیح مسلم: کتاب البر والصلہ: باب ثواب المومن]

شعب الایمان میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مومن کی بیماری ان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہوتی ہے۔ [شعب الایمان، فصل فی ذکر مافی الاوجاع والامراض۔ حدیث:9835]

مومن اگر گنہ گار ہوں تو ان پر آنے والے مصائب وشدائد گناہوں کا کفارہ تو بنتے ہیں مگر اس کے لیے ایک شرط ہے، وہ یہ ہے کہ آنے والی دقتوں پر صبر ورضا کا مظاہرہ کریں، بے صبری اور ناشکری نہ کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور برگزیدہ بندوں کا شیوہ اور طریقہ رہا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓىٕكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۫ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ ۔

ترجمہ: اور آپ ان لوگوں کو خوش خبری سنائیں جو مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم اللہ ہی کے لیے اور اللہ ہی کی طرف ہمیں لوٹ کے جانا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی

جانب سے رحمتیں اور نعمتیں اترتی ہیں اور یہی لوگ راہ یاب ہیں۔ [البقرہ:آیت156۔57]

مصائب پر صبر کا صلہ: امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: صبر تین قسم کا ہوتا ہے۔ [1] مصیبت پر صبر کرنا [2] طاعت [نیک اعمال] پر صبر کرنا [3] معصیت سے صبر کرنا۔ پس جس نے مصیبت پر صبر کیا اللہ عزوجل اس کے لیے تین سو درجات لکھے گا اور ہر درجہ کے درمیان زمین وآسمان کے درمیان کی مسافت [فاصلہ] ہے۔ اور جس نے طاعت پر صبر کیا اللہ تعالیٰ اس کے لیے سات سو درجات لکھے گا۔ اور ہر درجہ کے درمیان ساتویں زمین سے لے کر منتہاے عرش [اللہ تعالی کے عرش کی انتہا تک] کا فاصلہ ہے۔ اور جس نے معصیت سے صبر کیا۔ اللہ کریم اس کے لیے نو سو درجات لکھے گا۔ اور ہر درجہ کے درمیان ساتویں زمین سے لے کر منتہاے عرش کا دگنا فاصلہ ہے۔ [شرح بخاری لابن بطال، کتاب الادب، باب الصبر علی الاذیٰ۔ ج:9، ص:283]

جنت اور جنتی آسائش: مصائب پر صبر کا صلہ جنت اور جنتی آسائش بھی ہے۔

رب تعالیٰ کا ارشاد رحمت نشان ہے:

وجزاھم بما صبروا جنۃ وحریرا۔

ترجمہ: اور ان کے صبر پر انہیں جنت اور ریشمی کپڑے صلہ میں دیے۔ [الدھر: آیت،12]

خزائن العرفان میں ہے:

یہ آیت پاک حضرت علی، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کی کنیز فضہ کے حق میں نازل ہوئی۔ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیمار ہوئے، ان حضرات نے ان کی صحت پر تین روزوں کی نذر مانی، اللہ تعالیٰ نے صحت دی، نذر کی وفا کا وقت آیا، سب صاحبوں نے روزے رکھے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک یہودی سے تین صاع جو لائے، حضرت خاتون جنت نے ایک ایک صاع تینوں دن پکایا، لیکن جن افطار کا وقت آیا اور روٹیاں سامنے رکھیں تو ایک روز مسکین ایک روز یتیم اور ایک روز اسیر آیا، اور تینوں روز یہ سب روٹیاں ان لوگوں کو دے دی گئیں، اور صرف پانی سے افطار کر کے اگلا روزہ رکھ لیا گیا۔ اس انداز صبر نے ایسا انعام کا مستحق بنایا کہ اللہ کریم نے انہیں جنت اور جنتی آسائش عطا فرما دیا۔ [خزائن العرفان]

جنت میں بیت الحمد کی تعمیر: جو آدمی مصائب میں صبر و رضا کے ساتھ "اناللہ واناالیہ راجعون" پڑھتا ہے، اللہ تعالی اس کے لیے جنت میں گھر تعمیر کرا دیتا ہے۔

جامع ترمذی میں ہے:

اللہ کے رسول صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: جب کسی آدمی کا بیٹا فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے پوچھتا ہے، کیا تم نے میرے بندے کے بیٹے کی روح قبض کر لی؟ وہ کہتے ہیں ہاں: پھر اللہ تعالی پوچھتا ہے تب میرے بندے نے کیا کہا تھا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ اس نے تیرا شکر ادا کیا اور "اناللہ واناالیہ راجعون" پڑھا تھا، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تم میرے بندے کے لیے جنت میں ایک گھر بنا دو اور اس کا نام بیت الحمد یعنی شکرانے کا گھر رکھ دو۔ [جامع ترمذی: حدیث: 1021]

اور صحیح مسلم میں ہے:

جب مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق "اناللہ واناالیہ راجعون" پڑھے اور یہ دعا کرے "اے اللہ مجھے میری مصیبت پر اجر دے اور اس مصیبت کے بعد مجھے خیر نصیب کر، تو اللہ رب العزت اسے اس سے بہتر چیز عطا فرما دیتا ہے۔ [صحیح مسلم: ج:3، ص:37]

خلاصہ یہ کہ صبر بہت بڑی نعمت اور دولت ہے۔ قرآن کریم اور احادیث مصطفی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم میں اس کی اہمیت بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ رب کے کلام میں اسی صبر کو تقرب الٰہی، دین کی سرداری، بے حساب اجر، نصرت ربانی اور رب کی رحمتیں پانے کا سبب بھی قرار دیا گیا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کے اللہ عزوجل نے صابرین کے ساتھ ہونے کا وعدہ فرمایا ہے:

ارشاد رب کریم ہے: وَاصْبِرُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ

ترجمہ: اور صبر کرو بے شک اللہ تعالی صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ [الانفال، آیت:46]

اللہ تعالی ہم سب کو صبر کی دولت نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلی آلہ افضل الصلوات واکمل التسلیم۔

❁❁❁

علما کا مقام و مرتبہ: احادیث کی روشنی میں

مولانا شاکر رضا نظامی: استاذ مدرسہ تعلیم الاسلام پھول پور الہ آباد

علماے کرام امت مسلمہ کے لیے اللہ جل شانہ کی طرف سے عظیم نعمت ہیں، سرکار دوعالم ﷺ کے بعد امت کی رشد وہدایت کا فریضہ انہی علماے کرام کے ذمے ہے، انہی کی بدولت اسلام کا آفاقی پیغام مشرق و مغرب میں پہنچتا ہے، یہی صحیح معنوں میں قوم کے قائد ہوتے ہیں، انھیں کے دم قدم سے سماج میں دین کی بہاریں قائم رہتی ہیں، امت مسلمہ کو زندگی کے ہر شعبے میں ان کی ہدایات کی ضرورت ہوتی ہے، قرآن واحادیث میں علماے کرام کے فضائل کا متعدّد مقامات پر ذکر آیا ہے۔

مسند الفردوس میں ہے:

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہ ﷺ: يُوْزَنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِدَادُ الْعُلَمَاءِ وَدَمُ الشُّهَدَاءِ فَيَرْجَحُ مِدَادُ الْعُلَمَاءِ عَلَى دَمِ الشُّهَدَاءِ، رَوَاهُ الدَّيْلَمِيُّ۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن علما کے قلم کی سیاہی اور شہدا کے خون کو تولا جائے گا تو علما کے قلم کی سیاہی شہدا کے خون سے زیادہ وزنی ہو جائے گی۔ یہ حدیث دیلمی سے مروی ہے۔ [أخرجه الديلمي في مسند الفردوس، 486/5، الرقم/488]

علماے کرام کے عظیم مقام و مرتبے ہی کی وجہ سے انھیں انبیاے کرام کا وارث قرار دیا گیا ہے، بخاری شریف میں ہے:

إِنَّ الْعُلَمَاءَ هُمْ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ، وَرَّثُوا الْعِلْمَ، مَنْ أَخَذَهُ أَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ، وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ بِهِ عِلْمًا، سَهَّلَ اللهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ۔ [أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب العلم، باب العلم، قبل القبول، 37/1]

ترجمہ: بے شک علما، انبیاے کرام کے وارث ہیں۔ انہوں نے میراث علم چھوڑی ہے۔ پس جس نے اس [میراث علم] کو حاصل کیا، اس نے بہت بڑا حصہ پالیا۔ جو آدمی علم کی تلاش میں کسی راہ پر چلتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرما دیتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

اکرموا العلماء فانهم ورثة الانبياء فمن اکرمهم فقد اکرم الله ورسوله۔

یعنی عالموں کی عزت کرو، اس لیے کہ وہ انبیاے کرام علیہم السلام کے وارث ہیں۔ تو جس نے عالموں کی عزت کی تحقیق کہ اس نے اللہ و رسول کی عزت کی۔ [کنز العمال، ج:10، ص:85]

حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثلثة لايستخف بحقهم الامنافق ذوالشيبة في الاسلام وذوالعلم وامام مقسط۔ [رواه الطبراني في الكبير عن ابي امامة وابو الشيخ في التوبيخ عن جابر بن عبدالله رضي الله تعالى عنهم عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم]

یعنی سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تین شخص ہیں جن کا حق ہلکا نہ جانے گا مگر منافق، ایک اسلام میں بڑھاپے والا، دوسرا عالم، تیسرا بادشاہ اسلام عادل۔

مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں ہے:

الا ستخفا ف بالا شراف والعلماء كفر و من قال لعالم عويلم اولعلوي عليوي قاصدابه الا ستخفاف كفر۔ [مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر باب المرتد دار احیاء التراث العربی بیروت 695/1]

سادات اور علما کی تحقیر کفر ہے، جو عالم کو عویلم، علوی کو علیوی حقارت کی نیت سے کہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

یہ احادیث اور فقہی ارشادات ہم سب کے لیے درس عبرت ہیں، آج ہمارے سماج میں کتنے افراد ایسے ہیں جو دن رات علما کی برائیاں کرتے نہیں تھکتے، ان کی غیبت میں اپنی صبح و شام گزارتے ہیں، انھیں ذلیل و رسوا کرنے میں ذرا بھی دریغ نہیں کرتے، عام مسلمان کی غیبت حرام ہے، اور غیبت کرنے والے کو مردار کا گوشت کھانے والا کہا گیا ہے، ایسے میں علما جو نائبین رسول ہیں، ان کی برائی اور غیبت کرنا، ان پر الزام

تراشی اور دشنام طرازی کا کیا وبال ہوگا، اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آج ہمارے سماج کے اکثر اصحاب ثروت علما کو حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہیں، ان کی غربت و مفلوک الحالی کا مذاق اڑاتے ہیں، ان کے رشتوں کو ٹھکراتے ہیں، ان کی تعظیم و تکریم کے بجائے خود اپنی تعظیم کے مشتاق نظر آتے ہیں، عالم دین کو سلام کرنے کے بجائے خود سلام کے منتظر رہتے ہیں، خاص طور پر مدارس کی کمیٹی کے ارکان کا تیور علما کے ساتھ انتہائی حقارت آمیز ہوتا ہے، درونِ خانہ ان کی جو بھی حیثیت ہو، لیکن مدرسے میں آتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے وقت کا سب سے بڑا حاکم آرہا ہے، جنھیں گھر میں ادنیٰ سی بھی حیثیت نھیں ملتی، وہ علما پر رعب جماتے ہیں، حقارت آمیز لہجہ اختیار کرتے ہیں، ایسے لوگ نہ علم کی قدر جانتے ہیں اور نہ ہی علما کے مقام و مرتبے سے آشنا ہوتے ہیں، وہ چندروزہ دنیاوی رنگینیوں میں اس قدر مست ہوتے ہیں کہ انھیں اپنی دولت و ثروت اور دنیاوی مناصب کے سامنے سب کچھ بونا نظر آتا ہے، انھیں نھیں معلوم کہ بس آنکھیں بند ہونے کی دیر ہے، لمحوں میں ساری چکاچوند غائب ہوجائے گی اور اعمال صالحہ کے سوا کچھ کام نہ آئے گا۔

ہمیں اپنی عاقبت کی تباہی و بربادی سے بچنا چاہیے، اور علمائے کرام کی نیک صحبت میں بیٹھ کر ان سے دین کے احکام اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وفرمودات کو سننا چاہیے اور اپنی زندگی کو اسلامی طور طریقے کے مطابق گزارنے کا سلیقہ سیکھنا چاہیے، یقیناً علما کی صحبت کے بے شمار فوائد و برکات ہیں۔

یہ سچ ہے کہ زندگی میں بندہ جن کی صحبت اختیار کرتا ہے، اسی کے اثرات اس پر ظاہر ہوتے ہیں، مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم نے علما کی صحبت اختیار کرنے کی ترغیب دلائی ہے۔

مجمع الزوائد میں ہے:

عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنه قال سمعت النبی ﷺ یقول: اغد عالما او متعلما او مستمعا او محبا ولا تکن الخامسة فتهلك والخامسة ان تبغض العلم واهله۔

ترجمہ: حضرت سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں فرماتے ہیں میں نے حضور نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: عالم بنو یا طالب علم بنو یا علمی گفتگو کو کان لگا کر سننے والے بنو، یا علم اور اہل علم سے محبت رکھنے والے بنو، مذکورہ چار کے علاوہ پانچویں قسم کے مت بنو، کہ ہلاک ہو جاؤ گے اور پانچویں قسم یہ ہے کہ تم علم اور اہل علم حضرات سے بغض رکھو۔" [مجمع الزوائد، ج:1، ص:328]

یہ احادیث کریمہ ہم سے اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہم خود بھی علم حاصل کریں، اپنی اولاد کو بھی دینی علم سے آراستہ کریں، اپنی قوم کو حصول علم کی رغبت دلائیں اور اہل علم کے مقام و مرتبے کا ہر حال میں خیال کریں کہ ناقدری قوموں کو تباہ و برباد کردیتی ہے۔

اللہ جل شانہ ہمیں علما کے عزت واحترام کی توفیق عطا فرمائے۔

•••••••

شرعی رہنمائی

آپ کے سوالات، مفتیان عظام کے جوابات

نوٹ: قارئین اپنے سوالات درج ذیل ای میل آئی ڈی یا واٹسپ نمبر پر بھیج سکتے ہیں:
paighamemustafa2018@gmail.com / WhatsApp 8953078321

نماز جنازہ کے بعد دعا کی شرعی حیثیت

کیافرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہمارے علاقہ میں نماز جنازہ کے فوراً بعد میت کی مغفرت کے لیے دعا کی جاتی ہے پھر اس کے بعد اس کی تدفین عمل میں آتی ہے اور بعض مقامات میں نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں کی جاتی ہے، سوال یہ ہے کہ بعد نماز جنازہ دعا کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟ اور اگر کوئی عالم دین دعا نہ کرے تو عوام کا اس پر ٹو کنا کیسا ہے ؟

المستفتی: شہباز عالم، نوری، نگر کمات، اتر دیناج پور، بنگال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب: ائمۂ اہل سنت و جماعت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس پر اجماع ہے کہ اموات مسلمین کے لیے دُعا قطعاً محبوب و شرعاً مندوب ہے، اس کی ندب و ترغیب سے متعلق جو آیات و احادیث ناطق و شاہد ہیں وہ مطلق اور غیر موقت ہیں، جن میں کسی زمانہ کی تقیید و تحدید نہیں کہ فلاں وقت تو مستحب و مشروع ہے، مگر فلاں وقت ناجائز و ممنوع، اس کا واضح مفہوم یہ ہوا کہ اموات مسلمین کے لیے دعا خواہ نماز جنازہ سے قبل کی جائے یا نماز جنازہ کے بعد، دفن سے پہلے کی جائے یا پھر دفن کے بعد کی جائے، ہر وقت جائز و درست ہے، البتہ اختلاف فقہا اور کراہت سے بچنے کے لیے صفیں توڑ لینا چاہیے تاکہ نماز جنازہ میں کسی شئی کے اضافے کا کسی کو وہم نہ ہو، اور بلا وجہ طویل دعا سے بچنا چاہیے تاکہ تدفین کے عمل میں تاخیر نہ ہو۔ فقہ کی کچھ کتابوں میں جو بعد نماز جنازہ دعا کو مکروہ لکھا ہے وہ انہی دو صورتوں سے متعلق ہے۔

ارشاد باری ہے: فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ۔

ترجمہ: تو جب تم نماز سے فارغ ہو تو دعا میں محنت کرو اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کرو۔ [سورہ الم نشرح، آیت: 8،7]

اس آیۂ کریمہ میں مطلق نماز کے بعد دعا کا حکم ہے، لہذا اس اطلاق میں نماز جنازہ بھی داخل و شامل ہے۔

تفسیر جلالین میں ہے: [فإذا فرغت] من الصلاۃ [فانصب] إتعب في الدعاء [وإلى ربك فارغب] تضرع۔

ترجمہ: جب تو نماز سے فارغ ہو تو دعا میں مشقت کر اور اپنے رب کی طرف زاری اور تضرع کے ساتھ راغب ہو۔ [جلالین، سورہ الم نشرح، آیت: 8،7، ص: 500]

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: قال ابن عباس وقتادة: فإذا فرغت من صلاتك {فَانْصَبْ} أي بالغ في الدعاء وقال الكلبي: إذا فرغت من تبليغ الرسالة {فَانْصَبْ} أي استغفر لذنبك وللمؤمنين والمؤمنات۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کثرت سے دعا کرو اور کلبی نے فانصب کی تفسیر میں فرمایا اپنے اور دوسرے مومنوں کے گناہوں کی مغفرت کی دعا کرو۔ [الجامع لاحکام القرآن، سورہ الم نشرح، آیت: 8،7]

غنیۃ المستملی میں ہے: قال لما التقى الناس بموتة جلس رسول الله ﷺ على المنبر و كشف له مابينه وبين الشام فهو ينظر الى معركتهم فقال عليه الصلوة والسلام اخذ الراية زيد بن حارثة فمضى حتى استشهد وصلى عليه ودعا له وقال استغفروا له دخل الجنة وهو يسعى ثم اخذ الراية جعفر بن ابى طالب فمضى حتى استشهد وصلى عليه رسول الله ﷺ ودعا له وقال استغفروا له دخل الجنة فهو يطير فيها بجناحين حيث شاء۔

ترجمہ: جب مقام موتہ میں لڑائی شروع ہوئی رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کے لیے پردے اُٹھا دیے کہ ملک شام اور وہ معرکہ حضور ﷺ دیکھ رہے تھے، اتنے میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: زید بن حارثہ نے جھنڈا اٹھایا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا۔ حضور ﷺ نے انہیں اپنی صلاۃ و دعا سے مشرف فرمایا اور صحابہ کو ارشاد ہوا اس کے لیے استغفار کرو، بیشک وُہ دوڑتا ہوا جنت میں

داخل ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: پھر جعفر بن ابی طالب نے علم اُٹھایا اور لڑتا رہا یہاں یک کہ شہید ہوا، حضور ﷺ نے ان کو اپنی صلاۃ دُعا سے شرف بخشا اور صحابہ کو ارشاد ہوا اس کے لیے استغفار کرو وہ جنت میں داخل ہوا اور اس میں جہاں چاہے اپنے پروں سے اڑتا پھرتا ہے۔[غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، ص:584 فصل فی الجنائز، سہیل اکیڈمی لاہور]

اس حدیث شریف سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت زید بن حارثہ اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد خود حضور ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی ہے اور صحابہ کرام کو بھی بعد جنازہ دعا کا حکم دیا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ-صلی اللہ علیہ وسلم: إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاءَ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھو تو ان کے لیے اخلاص کے ساتھ دعا کرو۔[سنن ابی داوٗد، حدیث: 3199/سنن ابن ماجہ، حدیث:1498]

اس حدیث شریف میں جو اخلاص کے ساتھ دعا کرنے کا ذکر ہے اس میں دو احتمال ہیں۔ایک احتمال تو یہ ہے کہ فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاءَ کا تعلق إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ، سے ہے اور حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ نماز جنازہ خود میت کی مغفرت کی دعا ہے اس لیے اس نماز کو اخلاص کے ساتھ ادا کرو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاءَ کا تعلق صدر کلام سے نہیں بلکہ یہ اس سے الگ چیز ہے اس صورت میں حدیث پاک کا مفہوم ہو گا جب تم نماز جنازہ پڑھ لو تو بعد نماز جنازہ اخلاص کے ساتھ میت کے لیے دعا کرو۔احتمال اول کی صورت میں اخلاص کے ساتھ نماز جنازہ پڑھنے کا حکم ثابت ہو گا اور احتمال ثانی کی صورت میں نماز جنازہ کے ساتھ ساتھ الگ سے اخلاص کے ساتھ دعا کرنے کا حکم بھی ثابت ہو گا۔ شارحین حدیث نے واضح فرمایا ہے کہ اس حدیث میں دونوں صورتیں مراد لینا درست ہے۔

تنویر شرح جامع صغیر میں ہے:[إذا صليتم على الميت] صلاة الجنازة[فأخلصوا له الدعاء]أو إذا دعوتم له في صلاة أو غيرها.

یعنی: نماز جنازہ کے اندر یا بیرون نماز میت کے لیے اخلاص کے ساتھ دعا کرو۔

نیز اسی میں ہے :

ويحتمل أن يراد في الصلاة أو خارجها كما شهد له حديث:إذا صلوا على الميت فأثنوا عليه خيراً . فإنه يحتمل الثناء في الصلاة عند الدعاء إلا أنه في خارجها أظهر.

یعنی: حدیث میں جو اخلاص کے ساتھ میت کے لیے دعا کرنے کا حکم ہے اس میں دونوں احتمال ہیں نماز جنازہ کے اندر اور نماز جنازہ کے باہر بھی۔جس طرح سے حدیث پاک ”إذا صلوا على الميت فأثنوا عليه خيراً،،[جب میت کی نماز جنازہ پڑھ لو تو اسے خیر کے ساتھ یاد کرو]میں دونوں احتمال ہیں نماز جنازہ کے اندر جب میت کے لیے دعا کی جائے یا نماز جنازہ کے باہر، مگر بیرونی صورت مراد لینا زیادہ بہتر ہے ۔ [التنویر شرح جامع صغیر، ج:2،ص:281]

ماقبل کی گفتگو سے یہ واشگاف ہو گیا کہ بعد نماز جنازہ دعا مستحب و مشروع ہے ،واجب و ضروری نہیں اس لیے اگر کوئی عالم دین نماز جنازہ کے بعد دعا نہ کرے تو ان پر کوئی عتاب نہیں ،عوام کو ایسی صورت میں کسی عالم دین پر بلاوجہ سوال نہیں کھڑا کرنا چاہیے۔لانہ تبرع ولا جبر علی المتبرع کہ یہ ایک نفلی امر ہے اور اس پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

رد المحتار میں ہے: قَالَ فِي الْإِمْدَادِ : وَحُكْمُهُ الثَّوَابُ عَلَى الْفِعْلِ وَعَدَمُ اللَّوْمِ عَلَى التَّرْكِ.

ترجمہ: مستحب کا حکم یہ ہے کہ کرنے پر ثواب پائے گا ،ترک پر کوئی عتاب و ملامت نہیں۔[رد المحتار، ج:1،ص:333،باب سنن الوضوء، مطلب:لافرق بین المندوب والمستحب]

نیز مستحب کا ترک مستلزم کراہت نہیں بلکہ ثبوت کراہت کے لیے الگ سے دلیل ضروری ہے اور نماز جنازہ کے بعد دعا ترک کرنے کی کراہت پر الگ سے کوئی دلیل نہیں اس لیے ترک دعا مکروہ بھی نہیں تو پھر اس کا تارک کیوں کر معتوب اور مستحق ملامت ہو گا۔

ردالمحتار میں ہے:وَتَرْكُ الْمُسْتَحَبِّ لَا يُوجِبُ كَرَاهَةً ....وَقَالَ فِي الْبَحْرِ هُنَاكَ : وَلَا يَلْزَمُ مِنْ تَرْكِ الْمُسْتَحَبِّ ثُبُوتُ الْكَرَاهَةِ، إذْ لَا بُدَّ لَهَا مِنْ دَلِيلٍ خَاصٍّ ۔[ردالمحتار، ج:1،ص:84، کتاب الطہارۃ، مستحبات الوضو دار احیاء التراث العربی بیروت/البحر الرائق، ج:2،ص:163، کتاب الصلاہ، باب العیدین]واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

کتبــــــــــہ

محمد عارف حسین القادری المصباحی

خادم الافتا: الجامعہ المخدومیہ سراج العلوم، کان پور

❁❁❁

زنا سے حرمتِ مصاہرت کا ثبوت

مفتی محمد عارف حسین قادری مصباحی: استاذ و مفتی الجامعۃ المخدومیہ، سراج العلوم، حاج مئو، کان پور

بنگلور کی سرزمین سے کچھ احباب نے اس فقیر بے مایہ کے پاس کچھ غیر مقلدین کے بیانات بھیجے، بیانات کا تعلق فقہ حنفی کے ایک مسئلہ سے تھا، مسئلہ ہے "زنا سے حرمت مصاہرت کا ثبوت"۔ غیر مقلد مولویوں نے بڑی دریدہ دہنی کے ساتھ نہ صرف اس مسئلے کا مذاق اڑایا بلکہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ستودہ صفات کو بھی سب وشتم کا نشانہ بنایا، یہ جماعت تو قطعاً اس لائق بھی نہیں کہ ان کی گفتگو سنی جائے اور ان کا رد کیا جائے، مگر چوں کہ جماعت اہل سنت کے کچھ افراد اسے لے کر بڑے قلق واضطراب میں تھے، فقہ حنفی کے دلائل و شواہد سے عدم واقفیت کی بنا پر ان کی حنفیت کی منزل متزلزل تھی، اس لیے ان بھائیوں کے ایمان و عقائد کی حفاظت و صیانت کے پیش نظر کچھ سطریں لکھ دی گئیں، دعا ہے کہ ان کے دل میں اتر جائے میری بات۔ اس مسئلہ میں امام شافعی اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے بھی امام اعظم کے موقف سے مختلف ہے اور اس فقیر کا مزاج یہ ہے کہ وہابیہ دیابنہ جیسے باطل وعاطل فرقوں کا نام لے لے کر ان کی تشہیر کرنا مناسب نہیں سمجھتا، اس لیے اس مسئلہ پر بھی ہماری گفتگو کے مخاطب شوافع اور مالکیہ ہوں گے اور وہی جواب غیر مقلدین کے لیے بھی کافی ہوگا۔ اس مقام پر یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ اس مسئلہ میں گو کہ غیر مقلدین کی رائے امام مالک اور امام شافعی کی رائے کے موافق ہے مگر اس کے باوجود غیر مقلدین کا موقف باطل وعاطل ہے کہ وہاں دلائل و شواہد کا اتباع نہیں بلکہ نفسانی خواہشات کی پیروی ہے اور شوافع و مالکیہ میں چوں کہ قرآن وسنت کی پیروی ہے اس لیے وہ برحق ہیں۔ **محمد عارف حسین مصباحی**

نکاحِ صحیح کی بنا پر حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے، شوہر اگر اپنی بیوی سے وطی یا خلوت صحیحہ کرلے تو اس عورت کے اصول و فروع یعنی مائیں اور بیٹیاں اس شخص پر حرام ہو جاتی ہیں، اور مرد کے اصول و فروع عورت پر حرام ہو جاتے ہیں۔ اتنے پر تمام فقہائے کرام کا اتفاق ہے، البتہ ناجائز و حرام صحبت یعنی زنا سے حرمت مصاہرت کے ثبوت سے متعلق فقہائے اعلام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے آرا میں اختلاف ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا موقف یہ ہے کہ زنا سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اور جس عورت کے ساتھ یہ بدکاری کی گئی اس کے اصول و فروع کے ساتھ نکاح کرنا ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتا ہے۔ بلکہ بشہوت چھونے، بوسہ لینے، فرج داخل کی طرف نظر کرنے، گلے لگانے، دانت سے کاٹنے اور مباشرت، یہاں تک کہ سر پر جو بال ہوں اُنھیں چھونے سے بھی حرمت ثابت ہو جاتی ہے اگرچہ کوئی کپڑا بھی حائل ہو، مگر جب اتنا موٹا کپڑا حائل ہو کہ گرمی محسوس نہ ہو تو اس صورت میں حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔ اکابر صحابہ کرام میں حضرت امیر المومنین عمر فاروق، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت ابی بن کعب، حضرت عمران بن حصین، حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اسی کے قائل ہیں، ائمہ تابعین میں حضرت امام حسن بصری، حضرت سعید بن المسیب، امام اجل ابراہیم نخعی، امام عامر شعبی، امام طاؤس، امام عطا بن ابی رباح، امام مجاہد، امام سلیمان بن یسار، امام حماد، امام ثوری، امام اسحاق بن راہویہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اسی نظریہ کے حامل ہیں، جب کہ امام شافعی اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس بات کے قائل ہیں کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی ہے، زانی کے لیے زانیہ کے اصول وفروع سے نکاح کرنا جائز ودرست ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

وَقَوْلُنَا قَوْلُ عُمَرَ وَابْنِ مَسْعُودٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ فِي الْأَصَحِّ وَعِمْرَانَ بْنِ الْحُصَيْنِ وَجَابِرٍ وَأُبَيٍّ وَعَائِشَةَ وَجُمْهُورِ التَّابِعِينَ كَالْبَصْرِيِّ وَالشَّعْبِيِّ وَالنَّخَعِيِّ وَالْأَوْزَاعِيِّ وَطَاوُسٍ وَعَطَاءٍ وَمُجَاهِدٍ وَسَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ وَحَمَّادٍ وَالثَّوْرِيِّ وَإِسْحَاقَ بْنِ رَاهْوَيْهِ۔

[فتح القدیر، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات، ج:6، ص:372]

احناف کے دلائل:

قرآن حکیم میں ہے:

وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ٘ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ٘

ترجمہ: [تم پر حرام کی گئیں] ان کی بیٹیاں جو تمھاری گود میں ہیں اُن بی بیوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو تو پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں میں حرج نہیں۔ [سورۂ نساء، آیت:23]

درج بالا آیۂ کریمہ میں مدخولہ کی بیٹی حرام قرار دی گئی ہے اور اس کے لیے دو وصفوں کا بھی بیان ہوا ہے، الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ اور مِّنْ نِّسَآئِكُمْ۔ سوال یہ ہے کہ مدخولہ کی بیٹی کی حرمت کا حکم ان دو وصفوں سے مقید ہے یا نہیں؟

"الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ" یعنی اس کی گود میں پلنا بالاجماع شرط حرمت نہیں، مثلاً کسی شخص نے کسی مطلقہ یا متوفیٰ عنہا زوجہا سے نکاح کیا، اس کے پہلے شوہر سے اس کی ایک پندرہ، سولہ سال کی لڑکی ہے، جسے گود میں پالنا تو درکنار اس نے دیکھا تک نہیں ہے تو کیا اس سے نکاح کرنا اور مادر و دختر کو جمع کرنا جائز ہو گا؟ نہیں ہر گز نہیں، تو اس سے واشگاف ہو گیا کہ حکم حرمت میں اس وصف کا کوئی دخل نہیں۔

اسی طرح وصف نِّسَآئِكُمْ یعنی ان مدخولات کا زوجہ ومنکوحہ ہونا بھی بالاتفاق شرط نہیں۔ مثلاً ہندہ اور خالدہ ماں بیٹی اگر کسی کی کنیز شرعی ہوں تو کیا اس آقا کے لیے یہ حلال ہے کہ دونوں سے جماع کرے۔ نہیں ہر گز نہیں، جب کہ یہ کنیزیں نہ نِّسَآئِكُمْ میں داخل اور نہ رَبَآئِبُكُمْ میں شامل، اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ حکم حرمت میں اس وصف کا بھی کوئی دخل نہیں ہے ورنہ ان کنیزوں سے جماع کرنا حلال ہوتا۔

تو اب یہ بات ماہ نیم ماہ اور شمس وامس کی طرح روشن ہو گئی کہ آیۂ کریمہ میں بنیادی علت ہے الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ٘ یعنی ان عورتوں کی بیٹیاں جن کے ساتھ تم نے صحبت کی۔ یعنی نہ نکاح شرط نہ وطی کا بروجہ حلال ہونا لازم، بلکہ مناط حرمت صرف وطی ہے اور یہ اپنے اطلاق کے سبب وطی حرام یعنی زنا کو بھی شامل ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ

ترجمہ: اور باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو۔

[سورۂ نساء، آیت:22]

اس آیۂ کریمہ میں نَكَحَ کا کلمہ مستعمل ہے، اس کے معانی کے تعلق سے کل تین اقوال ہیں:

کثیر علماے لغت کا موقف یہ ہے کہ یہ لفظ عقد اور وطی کے معنی میں مشترک ہے، شوافع اس بات کے قائل ہیں کہ نَكَحَ کا حقیقی معنی عقد اور مجازی معنی وطی ہے، جب کہ احناف کے نزدیک حقیقی معنی وطی اور مجازی معنی عقد ہے۔ اس تناظر میں اگر اس کا معنی عقد لیا جائے تو اس صورت میں آیت کریمہ کا مفہوم ہو گا کہ تمھارے آبا واجداد نے جن عورتوں سے عقد نکاح کیا تم ان سے نکاح نہ کرو، اور مزنیہ چوں کہ منکوحہ نہیں اس لیے وہ اس حکم میں داخل و شامل نہیں، لیکن اگر وطی کے معنی میں ہو تو آیت کا مفہوم ہو گا کہ جو عورت تمھارے آبا واجداد کی موطوءہ ہے اس سے نکاح کرنا تمھارے لیے حلال نہیں اور اس صورت میں چوں کہ موطوءہ مطلق ہے اس لیے یہ وطی حلال اور وطی حرام دونوں کو شامل ہے۔ اب سوال یہ ہے آیۂ کریمہ میں نَكَحَ کس معنی میں مستعمل ہے؟ جیسا کہ ماسبق کی گفتگو سے واشگاف ہوا کہ عندالاحناف نَكَحَ کا حقیقی معنی وطی ہے اور جب تک حقیقی معنی مراد لینا متعذر نہ ہو تو اس

سے اعراض وانحراف بھی درست نہیں اس لیے زیر بحث آیت کریمہ میں نکح وطی کے معنی میں ہے اور آباواجداد کی ہر مؤطوہ سے نکاح حرام ہے۔

تفسیر آلوسی میں ہے:

وقد تحقق استعمال النكاح في كل من هذه المعاني، ففي الوطي قوله صلى الله عليه وسلم: ولدت من نكاح لا من سفاح" أي من وطي حلال لا من وطي حرام. وقوله عليه الصلاة والسلام: "يحل للرجل من امرأته الحائض كل شيء إلا النكاح"

ترجمہ: لفظ نکاح کا استعمال ان میں سے ہر معنی کے لیے ہوتا ہے۔لفظ نکاح کا معنی وطی ہے اس کی دلیل یہ حدیث شریف ہے ولدت من نکاح لا من سفاح یعنی وطی حلال سے پیدا ہوا ،وطی حرام سے نہیں۔ یہ حدیث بھی دلیل ہے، يحل للرجل من امرأته الحائض كل شيء إلا النكاح یعنی مرد کے لیے اپنی حائضہ بیوی کے ساتھ سوائے نکاح یعنی وطی کے ہر چیز جائز ہے۔[تفسیر آلوسی، ج:3، ص:489، سورۂ نساء، آیت:22]

المراد بالنكاح الوطي أي لا تطئوا ما وطي آباؤكم. وفيه تحريم وطء موطوءة الأب بنكاح أو بملك يمين أو بزنا كما هو مذهبنا وعليه كثير من المفسرين

ترجمہ: آیت کریمہ میں نکاح سے وطی مراد ہے اور مفہوم یہ ہے کہ تم اپنے آباواجداد کی مؤطوہ سے وطی نہ کرو، اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ باپ کی مؤطوہ سے وطی کرنا حرام ہے خواہ باپ نے اس عورت سے نکاح کی بنا پر وطی کیا ہو یا ملک یمین کی بنا پر یا پھر زنا کیا ہو، جیسا کہ یہی ہمارا مذہب ہے اور اکثر مفسرین اسی کے قائل ہیں۔[تفسیر نسفی، ج:1، ص:210، سورۂ نساء، آیت:22]

فتح القدیر میں ہے: وَالْآيَةُ الْمَذْكُورَةُ اسْتَدَلَّ بِهَا الْمَشَايِخُ صَاحِبُ النِّهَايَةِ وَغَيْرُهُ عَلَى ثُبُوتِ حُرْمَةِ الْمُصَاهَرَةِ بِالزِّنَا بِنَاءً عَلَى إرَادَةِ الْوَطْءِ بِالنِّكَاحِ.

ترجمہ: مذکورہ آیت کریمہ سے صاحب نہایہ وغیرہ مشائخ کرام نے یہ استدلال کیا ہے کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجاتی ہے، وجہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں نکاح سے مراد وطی ہے۔[فتح القدیر، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات، ج:6، ص:349]

احادیث کریمہ:

عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أُمِّ الْحَكَمِ، أَنَّهُ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنِّي زَنَيْتُ بِامْرَأَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَابْنَتِهَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا أَرَى ذَلِكَ، وَلَا يَصْلُحُ ذَلِكَ: أَنْ تَنْكِحَ امْرَأَةً تَطَّلِعُ مِنَ ابْنَتِهَا عَلَى مَا اطَّلَعْتَ عَلَيْهِ مِنْهَا۔

ترجمہ: ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن ام حکم سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک عورت سے زنا کیا تھا تو کیا اس کی بیٹی سے نکاح کرلوں، فرمایا: میری رائے نہیں اور نہ ایسا نکاح جائز ہے کہ تو بیٹی کی اس چیز پر مطلع ہو جس چیز پر اس کی ماں کی مطلع تھا۔[مصنف عبد الرزاق، ج: 7، ص: 201، حدیث:12784]

عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى رَجُلٍ نَظَرَ إِلَى فَرْجِ امْرَأَةٍ وَابْنَتِهَا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص کسی عورت اور اس کی بیٹی کی شرم گاہ دیکھے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔[مصنف ابن ابی شیبہ، ج:4، ص:165، حدیث:16489]

عَنْ أَبِي هَانِئٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: مَنْ نَظَرَ إِلَى فَرْجِ امْرَأَةٍ لَمْ تَحِلَّ لَهُ أُمُّهَا وَلَا ابْنَتُهَا.

ترجمہ: ابوہانی سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی عورت کی شرم گاہ دیکھے اس کے لیے اس کی ماں اور بیٹی حلال نہیں۔[مصدر سابق، حدیث:16490]

عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ قَالَ: سَمِعْتُ وَهْبَ بْنَ مُنَبِّهٍ، يَقُولُ فِي التَّوْرَاةِ: مَلْعُونٌ مَنْ نَظَرَ إِلَى فَرْجِ امْرَأَةٍ وَابْنَتِهَا۔

ترجمہ: عمرو بن دینار نے وہب بن منبہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ توریت شریف میں بھی ہے کہ وہ شخص ملعون ہے جو کسی عورت اور

اس کی بیٹی کی شرم گاہ دیکھے۔[مصنف عبد الرزاق،ج: 7،ص: 194،حدیث:12744]

عَنْ إِبْرَاهِيمَ النَّخَعِيِّ، قَالَ:مَنْ نَظَرَ إِلَى فَرْجِ امْرَأَةٍ وَابْنَتِهَا،لَمْ يَنْظُرِ اللهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ: ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ جو کسی عورت اور اس کی بیٹی کی شرم گاہ دیکھے روز جزا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا۔[مصنف عبد الرزاق،ج: 7،ص: 194، حدیث: 12748]

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: إِذَا جَامَعَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ أَوْ قَبَّلَهَا أَوْ لَمَسَهَا بِشَهْوَةٍ أَوْ نَظَرَ إِلَى فَرْجِهَا بِشَهْوَةٍ حَرُمَتْ عَلَى أَبِيهِ وَابْنِهِ وَحَرُمَتْ عَلَيْهِ أُمُّهَا وَابْنَتُهَا۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص کسی عورت سے جماع کرے، یا اس کا بوسہ لے، یا اسے شہوت کے ساتھ چھوئے، یا شہوت کے ساتھ اس کے فرج داخل کو دیکھے تو وہ عورت اس شخص کے باپ اور بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے اور اس مرد پر اس عورت کی ماں اور بیٹی حرام ہو جاتی ہیں۔[فتح القدیر، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات، ج:6،ص:382]

مخالفین کی دلیل اور اس کا جواب:

مخالفین نے اپنے موقف پر ایک حدیث سے استدلال کیا ہے، وہ حدیث یہ ہے:

عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال : لا یحرم الحرام الحلال۔

یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حرام، حلال کو حرام نہیں کرتا۔[سنن ابن ماجہ ،ج :1،ص :649، حدیث:2015]

یہ حدیث شریف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت سے مروی ہے، مگر کسی سند کے لحاظ سے یہ قابل احتجاج اور لائق استدلال نہیں۔ اس کی قدرے تفصیل یہ ہے:

عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت:

یہ روایت متعدّد وجوہ سے قابلِ احتجاج نہیں۔

پہلی وجہ:

یہ حدیث سخت ضعیف وساقط وناقابل احتجاج واستدلال ہے، علم حدیث کے طالب علم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ امام بیہقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتصار شافعیت میں کوشاں رہتے ہیں اور اپنی مصنفات میں عموماً ایسی حدیثیں درج کرتے ہیں جو شوافع کی مستدل بہا ہیں مگر اس کے باوجود انہوں نے بھی السنن الکبریٰ میں اسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حوالے سے روایت کر کے ضعیف قرار دیا ہے۔

دوسری وجہ:

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا خود حرمت کی قائل تھیں، اگر حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کچھ سنتیں تو حرمت کا قول نہ کرتیں، یہ بھی اس روایت کے ضعف کی بین دلیل ہے۔ نیز قاعدہ ہے کہ راوی کا فتویٰ و عمل اگر ان کی روایت کے خلاف ہو تو وہ اس روایت کے نسخ کی دلیل ہے۔

التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید میں ہے:

وقد کان ابن عباس یفتی بخلافة فدل علی أنه غیر صحیح عنه[ج:9،ص:27]

لما أفتی ابن عباس وعائشة بخلاف ما رویاہ دل ذلك علی أن العمل علی خلافه لأن فتوی الصحابی بخلاف مرویه بمنزلة روایته للناسخ۔[شرح الزرقانی ،ج: 2،ص:248/ مرقاۃ المفاتیح،ج:6،ص:355]

تیسری وجہ:

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا نہ وہ ارشاد اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے نہ اثرام المومنین، بلکہ عراق کے کسی قاضی کا قول ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

وحَدِيثُ عَائِشَةَ ضُعِّفَ بِأَنَّهُ مِنْ كَلَامِ بَعْضِ قُضَاةِ أَهْلِ الْعِرَاقِ قَالَهُ الْإِمَامُ أَحْمَدُ۔

ترجمہ: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث اس وجہ سے بھی ضعیف ہے کہ یہ عراق کے کسی قاضی کا قول ہے، یہ بات امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ارشاد فرمائی ہے۔[فتح القدیر، ج:3، ص:128، فصل فی بیان المحرمات، مکتبہ نوریہ رضویہ]

روایت عبداللہ بن عباس:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں عثمان بن عبدالرحمن وقاصی ہے جو شہزادۂ گلگوں قبا حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے قاتل عمرو بن سعد کا پوتا ہے، ارباب جرح و تعدیل اور ائمہ حدیث نے اس پر سخت کلام کیا ہے، اس لیے یہ روایت از حد ضعیف ہے اور اس سے احتجاج واستدلال روا نہیں۔

مشہور شافعی امام محمد بن درویش بن محمد حوت البیروتی نے فرمایا:

فيه عثمان بن عبد الرحمن الوقاصى قال الذهبى عثمان متروك قال أبو حاتم يروى عن الثقات الموضوعات۔

ترجمہ: امام ذہبی نے فرمایا عثمان متروک ہے، ابوحاتم نے فرمایا ثقات سے موضوع خبریں روایت کردیتا ہے۔[اسنی المطالب فی احادیث مختلفہ المراتب، ج:1، ص:328]

امام سراج الدین ابوحفص عمر بن علی بن احمد شافعی مصری نے فرمایا:

عُثْمَان الوقاصى وَهُوَ ضَعِيف الحَدِيث لَا يحْتَج بروايته

ترجمہ: عثمان وقاصی ضعیف الحدیث ہے، اس کی روایت سے استدلال درست نہیں۔[البدر المنیر فی تخریج الاحادیث والآثار، ج:9، ص:261]

درایہ میں ہے:

وَفِي إِسْنَادِه عُثْمَان الوقاصى وَهُوَ مَتْرُوك[الدرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ، ج:1، ص:210، فصل فی مقدار الواجب ووقتہ]

نصب الرایہ میں ہے:

وَعُثْمَانُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ هُوَ الْوَقَّاصِيُّ، أَجْمَعُوا عَلَى تَرْكِ الِاحْتِجَاجِ بِهِ، قَالَ ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ: سَأَلْت أَبِي عَنْهُ، فَقَالَ: كَذَّابٌ ذَاهِبُ الْحَدِيثِ، وَقَالَ ابْنُ حِبَّانَ: يَرْوِي عَنْ الثِّقَاتِ الْأَشْيَاءَ الْمَوْضُوعَاتِ لَا يَحِلُّ الِاحْتِجَاجُ بِهِ، وَقَالَ النَّسَائِيُّ: مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ۔

ترجمہ: عثمان بن عبد الرحمٰن وقاصی کی روایت کردہ احادیث سے استدلال نہ کرنے پر محدثین نے اتفاق کرلیا ہے، ابن ابی حاتم نے کہا میں نے اپنے والد سے ان کے بارے میں پوچھا تو فرمایا جھوٹا ہے، حدیثیں بھول چکا ہے، ابن حبان نے فرمایا ثقات سے موضوع خبریں روایت کردیتا ہے اس لیے اس کی روایت کردہ حدیثوں سے استدلال حلال نہیں، امام نسائی نے فرمایا متروک الحدیث ہے۔
[نصب الرایہ، ج:1، ص:356، باب صفہ الصلاۃ]

ذخیرۃ الحفاظ میں ہے:

وعثمان متروك الحديث۔[ج:3، ص:1443]

وَعُثْمَان الوقاصى تَرَكُوهُ، قَالَه البُخَارِيّ أَيْضا

امام بخاری نے فرمایا کہ محدثین نے اسے متروک کردیا ہے۔[تذکرہ المحتاج الی احادیث المنہاج، ج:1، ص:71، حدیث:61]

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے فرمایا: عثمان متروک وقال يحيى يكذب۔

ترجمہ: عثمان متروک ہے، امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: جھوٹ بولتا ہے۔[اللآلی المصنوعہ، ج:1، ص:95]

قال أبو حاتم ابن حبان عثمان بن عبد الرحمن هو الوقاصى يروى عن الثقات الاثبات الموضوعات لا يجوز الاحتجاج به وقال الدارقطنى متروك۔

عثمان بن عبدالرحمٰن وہی وقاصی ہے ثقات سے موضوع خبریں روایت کردیتا ہے اس سے سند لانا حلال نہیں، امام دارقطنی نے فرمایا متروک ہے۔[العلل المتناہیہ، ج:2، ص:626]

روایت عبداللہ بن عمر:

یہ روایت بھی بہ چندوجوہ ضعیف و نحیف ہے اور اس سے استدلال درست نہیں۔

پہلی وجہ:

اس روایت میں ایک راوی اسحاق بن محمد فروی ہے ،واضح رہے کہ اسحاق فروی نام سے دو راوی ہیں،ایک اسحٰق بن عبداللہ بن ابی فروہ یہ تابعی اور امام زہری کے معاصر وتلمیذ ہے،اور رجال ابوداؤد، وترمذی وابن ماجہ سے بھی ہے۔ یہ متروک ہے،اسی کو امام بخاری نے تر کوہ فرمایا ہے۔ دوسرے اسحٰق بن محمد بن اسمٰعیل بن عبداللہ بن ابی فروہ، یہ رجال بخاری وترمذی وابن ماجہ سے ہیں، امام بخاری کے استاذ ہیں، 326ھ میں انتقال کیا، یہ گوکہ متکلّم فیہ ہے مگر ہرگز متروک نہیں۔ زیر بحث حدیث پاک میں راوی یہی اسحاق بن محمد ہیں۔

اسحق بن محمد بن اسمعیل بن ابی فروہ الفروی صدوق روی عنه البخاری فی صحیحه، وقال ابوحاتم وغیرہ صدوق ، وذکرہ ابن حبان فی الثقات و وھاہ ابوداؤدوقال النسائی لیس بثقة۔

ترجمہ: اسحاق بن محمد بن اسمٰعیل بن ابی فروہ الفروی صدوق ہے، اس سے بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اور ابوحاتم وغیرہ نے کہا یہ صدوق ہے، اس کو ابن حبان نے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے، اور ابوداؤد نے اس کو کمزور بتایا ہے اور نسائی نے کہا یہ ثقہ نہیں ہے۔[الترغیب والترھیب، ج:4، ص:567، باب ذکر الرواۃ المختلف فیہم الخ المصطفیٰ البابی مصر]

تقریب میں ہے:

صدوق، کف فساء حفظه۔

ترجمہ: صدوق ہے۔ اس کا حفظ کمزور ہو گیا تھا۔[تقریب التہذیب، حرف الالف ترجمہ: 381 ،ج:1، ص:84، دارالکتب العلمیہ بیروت]

میزان الاعتدال میں ہے:

قال ا بوحاتم صدوق ذھب بصرہ فربما لقن وکتبه صحیحة، وقال مرة مضطرب، وقال العقیلی جاء عن مالك باحادیث کثیرة لایتابع عن مالك باحادیث کثیرة لایتابع علیها، وذکرہ ابن حبان فی الثقات،وقال النسائی لیس بثقه،وقال الدارقطنی لایترك، وقال ایضا ضعیف قدروی عنه البخاری ویوبّخونه علی ھذا، وکذاذکرہ ابوداؤدووھاہ جدا۔

ترجمہ: ابوحاتم نے کہا یہ صدوق ہے اور اس کی نظر ضائع ہوگئی تھی اور بعض اوقات دوسرے کی بات مان لیتا تھا اور اس کی کتب حدیث صحیح ہیں، اور انھوں نے کبھی اس کو مضطرب قرار دیا ہے، اور عقیلی نے کہا کہ اس نے امام مالک سے کثیر روایات ذکر کیں لیکن ان کی تائید نہ ہوئی، اور اس کو ابن حبان نے ثقہ لوگوں میں شمار کیا ہے، اور نسائی نے کہا کہ ثقہ نہیں ہے، اور دارقطنی نے کہا کہ یہ متروک نہیں، اور ضعیف بھی کہا ہے، اور بخاری نے اس سے روایت کیا ہے اس وجہ سے امام بخاری پر طعن بھی ہوا ہے، ابوداؤد نے یوں ہی کہا اور اس کو بہت کمزور قرار دیا۔[میزان الاعتدال، ج:1، ص:199، حرف الالف ترجمہ 785، دارالمعرفۃ بیروت]

دوسری وجہ:

اسحاق بن محمد کا شیخ عبداللہ ہے، ائمہ حدیث کے نزدیک یہ بھی مجروح و متکلّم فیہ ہے، امام ابوعیسیٰ ترمذی نے جامع ترمذی میں ایک حدیث ان سے روایت کرکے ارشاد فرمایا:

عبداللہ ضعفه یحیی بن سعید من قبل حفظه فی الحدیث۔

عبداللہ کو امام یحییٰ بن سعید قطان نے نقصانِ حافظہ کی رو سے حدیث میں ضعیف بتایا۔[جامع الترمذی ، ج:1، ص:16، حدیث: 113، ابواب الطہارۃ باب فیمن یستیقظ ویری بللا الخ]

جامع ترمذی میں ہے:

عبداللہ بن عمر العمری لیس ھو بالقوی عنداھل الحدیث۔

عبداللہ بن عمر العمری محدثین کے نزدیک چنداں قوی نہیں۔

[جامع الترمذی، ج:1، ص:24، حدیث: 172، باب ماجاء فی الوقت الاول الخ]

البدر المنیر میں ہے:

عبد الله بن عمر العمريّ وَلَيْسَ بِالْقَوِيّ [عِنْد] أهل الحَدِيث، وَقد تكلم فِيهِ يحْيَى بن سعيد من قبل حفظه.

ترجمہ: عبداللہ بن عمر عمری محدثین کے نزدیک قوی نہیں ہے ، یحییٰ بن سعید نے نقصان حفظ کی وجہ سے اسے متکلّم فیہ بتایا ہے۔[البدر المنیر فی تخریج الاحادیث والآثار، ج:2، ص:610]

میزان الاعتدال میں ہے:

كان ممن غلب عليه الصلاح والعبادة حتى غفل عن حفظ الاخبار وجودة الحفظ للآثار فلما فحش خطؤه استحق الترك.

صلاح وعبادت نے ان پر یہاں تک غلبہ کیا کہ حفظِ احادیث سے غافل ہوئے حدیثیں خوب یاد نہ رہیں جب خطا بکثرت واقع ہوئی ترک کے مستحق ہوگئے۔[میزان الاعتدال، ج:2، ص:465، حرف العین ترجمہ:4472، دارالمعرفہ بیروت]

خیر یہ ساری گفتگو تو حدیث کی سند کے اعتبار سے تھی اگر اس سے قطع نظر کر لیا جائے تو بھی اس حدیث سے مسئلہ دائرہ میں استدلال و احتجاج درست نہیں، حدیث کا ظاہری مفہوم ہے کہ حرام حلال کو حرام نہیں کرتا، اور یہ علی الاطلاق قطعًا وحتمًا درست نہیں، صدہا صورتیں ایسی ہیں جن میں حرام حلال کو حرام کردیتا ہے مثلاً:

آب قلیل طاہر میں پیشاب یا شراب پڑ جائے تو پانی قطعًا ناپاک۔یعنی حرام [پیشاب ،شراب] نے حلال [طاہر پانی] کو حرام کردیا۔

ایک پاک شخص کو نماز وقرأت، دخول مسجد وطواف کعبہ حلال ہے اگر وہ معاذ اللہ زنا کا ارتکاب کرلے تو وہ ناپاک اور ان اعمال و افعال کا اس حالت میں بجالانا حرام۔یعنی حرام [زنا] نے حلال [نماز وقرأت، دخول مسجد] کو حرام کردیا۔

کسی شخص نے اپنی بیوی کو ایام حیض میں تین طلاقیں دیدیں تو طلاقیں پڑجائیں گی اور وہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہوجائے گی، یعنی حرام [ایام حیض میں طلاق اور یکبار گی تین طلاق] نے حلال [اپنی بیوی] کو حرام کردیا۔

بتوں کا نام لے کر حلال جانور ذبح کرے تو حلال جانور بھی حرام ہوجائے گا یعنی حرام [بتوں کا نام لینا] نے حلال [گائے، بکری، بھینس] کو حرام کردیا۔

اس سے ماہ نیم ماہ کی طرح واشگاف ہوگیا کہ وہ حدیث اپنے اطلاق پر نہیں ہے بلکہ مؤول ہے اور اس کا صحیح مفہوم ہے کہ حرام من حیث ہو حرام، حلال کو حرام نہیں کرتا۔

فتح القدیر میں ہے:

وَمَا رَوَاهُ مِنْ قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {لَا يُحَرِّمُ الْحَرَامُ} غَيْرُ مُجْرًى عَلَى ظَاهِرِهِ، أَرَأَيْت لَوْ بَالَ أَوْ صَبَّ خَمْرًا فِي مَاءٍ قَلِيلٍ مَمْلُوكٍ لَهُ لَمْ يَكُنْ حَرَامًا مَعَ أَنَّهُ يَحْرُمُ اسْتِعْمَالُهُ فَيَجِبُ كَوْنُ الْمُرَادِ أَنَّ الْحَرَامَ لَا يُحَرِّمُ بِاعْتِبَارِ كَوْنِهِ حَرَامًا، وَحِينَئِذٍ نَقُولُ بِمُوجِبِهِ إذْ لَمْ نَقُلْ بِإِثْبَاتِ الزِّنَا حُرْمَةَ الْمُصَاهَرَةِ بِاعْتِبَارِ كَوْنِهِ زِنًا بَلْ بِاعْتِبَارِ كَوْنِهِ وَطْئًا، هَذَا لَوْ صَحَّ الْحَدِيثُ.

یعنی حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان: لَا يُحَرِّمُ الْحَرَامُ اپنے ظاہر پر محمول نہیں، کیا ایسا ہے کہ اگر قلیل پانی میں پیشاب کردے یا شراب ڈال دے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا اور اس کا استعمال حرام نہ ہوگا، نہیں اور ہرگز نہیں، اس پانی کا استعمال حرام ہے تو لازمی طور پر حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ حرام من حیث ہو حرام، حلال کو حرام نہیں کرتا۔ اور ہم لوگ جو زنا سے حرمت مصاہرت کو ثابت مانتے ہیں وہ اس اعتبار سے نہیں کہ وہ زنا ہے بلکہ اس اعتبار سے کہ وہ وطی ہے - یہ گفتگو اس صورت میں ہے جب کہ یہ حدیث صحیح ہو، جب کہ یہ حدیث ہی ضعیف ہے۔[فتح القدیر، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات، ج:6، ص:373]

☆☆☆

الغزالی بین مادحیہ وناقدیہ: ایک تحقیقی جائزہ

محمد ساجد رضا مصباحی: ایڈیٹر سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور

امام غزالی اور اصلاح سلاطین: امام غزالی کی اصلاحی تحریک کا دائرہ صرف عام مسلمان، متکلّمین، فلاسفہ، علماے ظاہر اور متصوفۂ عصر تک محدود نہیں تھا۔ بلکہ ان کے نقد ونظر اور اصلاح وموعظت کے حدود میں وزرا اور سلاطین زمانہ بھی شامل تھے۔ امام غزالی کا ماننا تھا کہ امت کی اصلاح، ارباب علم وفکر اور اصحاب سیاست وسلطنت کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اذا صلحا صلح الناس واذا فسدا فسد الناس"۔ یعنی جب علما اور سلاطین سدھر جائیں گے تو عوام بھی سدھر جائے گی اور جب یہ دونوں بگڑیں گے تو عوام بھی بگڑ جائے گی۔

امام غزالی کہتے ہیں کہ لوگ سلاطین سے حق بات کہنے اور ان کو خیر کی نصیحت کرنے سے اس لیے باز رہتے ہیں کہ ان کے دل میں بادشاہ کا خوف اور اس کے عنایات وعطایات کی طمع پیدا ہو جاتی ہے۔ حالاں کہ سلاطین کے پاس نہ کوئی ایسی قوت ہے جس کا خوف کیا جائے۔ اور نہ ہی کوئی ایسا مال ہے جس کی طمع کی جائے۔ یہ لوگ یہ فراموش کر بیٹھے ہیں کہ دنیا مسافر کی شاہراہ ہے۔ دائمی اقامت کی جگہ نہیں۔

خلیفہ انوشروان کا ایک وزیر آپ کی عظمت ومنزلت اور علم و فضل کا اعتراف کرتے ہوئے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ اماغزالی نے ان سے فرمایا:

"تمھاری سلطنت کے بارے تم سے پوچھا جائے گا۔ اور تم لوگوں کی پناہ گاہ ہو، لہذا تمھارا ان کی نگرانی کرنا میری زیارت سے بہتر ہے"۔ 7

امام غزالی نے احیاء العلوم میں ظالم امرا وحکام سے میل جول اور ان کے دربار میں آمد ورفت کو مذموم قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ظالم امرا وحکام کی تین حالتیں ہیں۔

1۔ سب سے بری بات یہ ہے کہ تم ظالم امرا اور حکام کے پاس جاؤ۔
2۔ یہ بھی مذموم ہے کہ وہ تمھارے پاس آئیں۔
3۔ سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ تم ان کے پاس جاؤ نہ وہ تمھارے پاس آئیں۔

امام غزالی نے جہاں اپنی تصانیف میں حکام عصر کی غیر شرعی سرگرمیوں اور رعایا پر ان کے ظلم وجبر کے خلاف آواز اٹھائی، وہیں اپنے مکتوبات کے ذریعہ بلا واسطہ سلاطین کو ان کی کوتاہیوں کا احساس بھی دلایا۔

آپ نے سلجوقی سلطان سنجر بن ملک شاہ [جس کے زیر نگیں پورا خراساں تھا] کو لکھا:

"افسوس! کہ امت مسلمہ مصائب وآلام کے سبب ہلاکت کے دھانے پر ہے، اور تمھارے گھوڑے کی گردن سونے [کے زیورات] سے بوجھل ہے"۔ 8

وزیر فخر الملک کو نصیحت کرتے ہوئے لکھا:

"تنہائی میں دو رکعت نماز ادا کرو اور اپنے سجدوں میں اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کرو۔ اے وہ بادشا! جس کی بادشاہت لازوال ہے، میرے ملک پر رحم فرما جو ہلاکت کے دہانے پر ہے۔ اسے غفلت سے بیدار کر، اور رعایا کی اصلاح کی توفیق عطا فرما"۔ 9

وزیر مجیر الدین کو لکھا:

مخلوق کی معاونت سب پر واجب ہے۔ لیکن ظلم حد سے تجاوز کر گیا ہے۔ میرے اندر ظلم دیکھنے کی استطاعت نہیں، اس لیے میں نے طوس سے ہجرت کر لی۔ حتی کہ میں ان ظالموں کو بھی نہیں دیکھ سکتا جو رحم وکرم سے ناآشنا ہیں، اور محرمات کی رعایت تک نہیں کرتے۔ پھر کسی ضرورت کے تحت ایک سال بعد طوس آنا ہوا تو ظلم کو بدستور باقی پایا"۔ 10

امام غزالی ظالم حکمرانوں کے یہاں علما کی آمد ورفت اور ان کے تحفے وتحائف قبول کرنے کو دین میں رشوت قرار دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے زمانے میں سلاطین کے اموال کا پورا یا اکثر حصہ حرام طریقے سے حاصل ہوتا ہے۔ لہذا ان سے احتراز لازم ہے۔

امام غزالی اور تصوف:

امام غزالی اصول، فقہ، کلام اور فلسفہ میں کامل بصیرت کے حصول اور بعض علوم میں ضروری اصلاحات کے بعد تصوف کی طرف متوجہ ہوئے۔ کیوں کہ امام غزالی کے بقول صوفیہ ہی حقیقتاً رہروِ راہِ خدا ہیں۔ ان کی سیرت سب سے اچھی، ان کا اخلاق سب سے اعلیٰ اور ان کا طریقہ سب سے عمدہ ہے۔ بلکہ اگر دانش وروں کی دانش، حکما کی حکمت، اور علما ے شریعت کے علم کو جمع کر دیا جائے اور ان سے صوفیہ اپنے اخلاق کو بدل کر بہتر کرنا چاہیں تو ایسا ان کے لیے ممکن نہ ہوگا۔ صوفیہ کے تمام ظاہری و باطنہ حرکات و سکنات مشکاۃ نبوت سے مقتبس ہیں۔ اور نبوت کے سوا روے زمین پر کوئی ایسا نور نہیں ہے جس سے روشنی حاصل کی جاسکے۔ ۔اس طرح امام غزالی ایک محب اور عاشق کی حیثیت سے میدان تصوف میں وارد ہوئے، دیگر علوم وفنون کی طرح بحیثیت ناقد نہیں۔ اس لیے ابن جوزی نے امام غزالی پر تنقید کرتے ہوئے کہا: کہ امام غزالی تصوف کو قانون فقہ اور منطق عقل کی معیار پر پرکھنے سے قبل ہی اس میدان میں کود پڑے، لہٰذا انھوں نے بہت سارے ایسے صوفیانہ افکار و اعمال کو قبول کر لیا جو قانون شرع کے خلاف اور کتاب و سنت سے منحرف ہیں۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ امام غزالی تصوف کی جس راہ کے مسافر تھے، اس کی بنیاد کتاب و سنت پر ہی تھی۔ انہوں نے صوفیانہ افکار وخیالات کو اسلامی اصول سے ہم آہنگ کرنے کے لیے بڑی جد جہد کی۔ امام غزالی سے قبل صوفیہ کی ایک جماعت علم سے کنارہ کش بلکہ علم کی مخالف تھی۔ یہ جماعت علم کو اللہ اور بندے کے درمیان ایک طرح کا حجاب سمجھتی تھی۔ امام غزالی نے سالکِ طریقت کے لیے علمِ شرعی کو ضروری قرار دیا۔ متعدّد مقامات پر ان الفاظ کے ذریعہ حصول علم کی تاکید فرمائی: "ان السعادۃ لاتنال الا بالعلم والعمل" [سعادت کا حصول علم وعمل کے بغیر ممکن نہیں۔]

اپنے رسالہ "ایھا الولد" میں فرمایا:

"ان العلم بدون عمل جنون والعمل بغیر علم لا یکون". [علم بغیر عمل کے دیوانگی ہے اور عمل بغیر علم کے ناممکن۔]

امام غزالی صوفیہ کے اس گروہ کے مخالف تھے جو اپنی شہوات کو "شریعت"، اپنے جھوٹے اوہام کو "علم الٰہی"، نفسانی خواہشات کو "حب الٰہی" اور شریعت مصطفی کی عدم پیروی کو "طریقہ تصوف" کہتے ہیں۔ امام غزالی نے اپنی تصانیف میں جابجا ایسے صوفیہ سے بیزاری اور سخت برہمی کا اظہار کیا ہے۔ اصلاح تصوف میں امام غزالی کی خدمات کا اعتراف متقدمین و معاصرین سبھی نے کیا ہے۔ بلکہ مستشرقین بھی اس میدان میں آپ کے کارناموں سے متاثر نظر آتے ہیں۔ تفصیلی معلومات کے لیے ڈاکٹر یوسف قرضاوی کی اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی کہتے ہیں کہ تصوف کے باب میں امام غزالی کی اصلاحات اس شخص کے نزدیک زیادہ واضح ہوں گی جنھوں نے امام غزالی سے قبل کے تصوف اور اربابِ تصوف کے حالات کا مطالعہ کیا ہے۔

امام غزالی کے ناقدین پر اک نظر:

جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیان کیا گیا کہ حجۃ الاسلام ابوحامد بن محمد الغزالی نے اپنی علمی بصیرت، فکری گہرائی و گیرائی اور خداداد ذہانت کے ذریعہ علوم و فنون کی مختلف شاخوں میں کئی جہتوں سے اصلاحات کیں۔ باطل افکار و نظریات کا جائزہ لے کر ان کا قلع قمع کیا۔ باطل فرقوں کے غیر اسلامی عقائد کو طشت از بام کر کے انہیں کیفر کردار تک پہنچایا۔ احیاے دین کی ان گراں قدر خدمات نے آپ کو مرجع عوام و خواص بنا دیا، اور علما کا ایک بڑا طبقہ آپ کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہو گیا۔ اس طبقے کے بعض افراد نے مبالغہ آرائی میں غلو کیا اور فرط عقیدت میں یہاں تک کہہ دیا: "کاد الاحیاء ان یکون قرآنا" جب کہ دوسری طرف ایک گروہ نے آپ پر مسلسل طنز و تنقید کو اپنا وطیرہ بنا لیا۔ یہ گروہ بھی جادہ اعتدال پر قائم نہ رہ سکا، اور امام غزالی کی شان میں غیر مناسب کلمات استعمال کیے، اور حقائق سے نظریں چرا کر الزام تراشی کی انتہا کر دی۔ گویا کہ آپ کے مادحین اور ناقدین دونوں ہی اعتدال کے راستے سے ہٹے ہوئے تھے۔ ہاں! اتنا مسلم ہے کہ امام غزالی کے مادحین کی تعداد ان کے ناقدین سے زیادہ ہے۔ آپ کے مادحین میں عبد الغافر فارسی، حافظ ابن کثیر، علامہ تاج الدین سبکی، ابن العماد حنبلی جیسی قدر آور شخصیتیں شامل ہیں۔ ہم یہاں امام غزالی کے مداحوں سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف ناقدین کا ایک سرسری جائزہ ڈاکٹر قرضاوی کے حوالے سے پیش کر رہے ہیں۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی کے بقول امامغزالی کے ناقدین کے کئی گروہ ہیں۔ بعض نے ان کی تصانیف اور رسائل کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا، بعض نے ان کے طریقۂ زہد و سلوک پر کلام کیا، بعض نے ان کے اسلوب نقد و

معارضہ کو اپنا موضوع بنایا۔ علامہ تاج الدین سبکی نے طبقات الشافعیہ میں امام غزالی کے ناقدین اور ان کے نقد و نظر کو تفصیل سے بیان کر کے ان کا جواب بھی قلم بند کیا ہے۔ ڈاکٹر قرضاوی نے اپنی اس کتاب میں چند معروف ناقدین کا تذکرہ طبقات الشافعیہ کے حوالے کیا ہے۔ ذیل میں ہم اس کا حاصل مطالعہ قلم بند کرتے ہیں۔

محمد بن محمد طرطوشی مالکی:

ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے غزالی کے ناقدین میں سب سے پہلا نام ابو طرطوشی مالکی [ت520ھ] کا ذکر کیا ہے۔ جنہوں نے امام غزالی پر یہ تہمت لگائی کہ غزالی علم کو چھوڑ کر عمل میں مشغول ہو گئے۔ پہلے باطنی علوم اور شیطانی وسوسوں میں داخل ہوئے پھر اسے فلسفیانہ نظریات اور منصور حلاج کے رموز و اسرار کو پروان چڑھایا۔ دھیرے دھیرے غزالی فقہاو متکلّمین پر طعن و تشنیع کرنے لگے۔ طرطوشی نے یہاں تک کہہ دیا کہ غزالی صوفیہ کے علوم سے نہ تو مانوس تھے اور نہ ہی انہیں اس کی کچھ آگہی تھی۔

امام ابو عبد اللہ مازری مالکی:

امام غزالی کے ناقدین میں طرشوشی کے بعد امام ابو عبد اللہ مازری [ت536ھ] کا نام آتا ہے۔ مازری نے امام غزالی پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ انھوں نے احیاء العلوم میں متعدّد مقامات پر ضعیف حدیثیں نقل کیں اور اپنے بعض دعووں کی بنیاد ایسے امور پر رکھی جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ انہوں نے امام غزالی کے قول "من مات بعد بلوغه ولم يعلم ان البارى قديم مات مسلما اجماعا" یعنی جو شخص بلوغت کے بعد اس حال میں مرا کہ اسے باری تعالیٰ کے قدیم ہونے کا علم نہیں وہ اجماعاً مسلمان مرا۔ کو بھی شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور اس مسئلے میں امام غزالی کے دعوی اجماع کو غلط قرار دیا۔

امام غزالی کا نظریہ ہے کہ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں کتابوں میں لکھنا مناسب نہیں۔ غزالی کے اس نظریے سے اختلاف کرتے ہوئے مازری کہتے ہیں کہ اگر یہ باتیں حق ہیں تو کتابوں میں ان کا ذکر کیوں نہیں کرنا چاہیے؟ کیا ان کے دقیق اور پیچیدہ ہونے کی وجہ سے؟ ان کی تفہیم سے کون سی چیز مانع ہے؟۔

مازری کے بقول امام غزالی علم اصول دین میں تبحر حاصل کرنے سے قبل ہی فلسفہ کی تحصیل میں لگ گئے جس کی وجہ سے ان سے بارہا لغزشیں ہوئیں۔ علامہ تاج الدین سبکی نے ان اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے۔ اگر چہ ان کے بعض جوابات سے اختلاف کی گنجائش ہے۔

حافظ تقی الدین ابن الصلاح:

امام غزالی کے ناقدین میں ایک نام حافظ تقی الدین ابن صلاح کا بھی آتا ہے۔ ابن صلاح کہتے ہیں کہ غزالی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم اصول فقہ میں منطق کی آمیزش کی۔ ابن صلاح امام غزالی کی اُس عبارت پر بھی برہم ہیں جسے انہوں نے منطق کی اہمیت بیان کرتے ہوئے المستصفیٰ کے آغاز میں رقم فرمایا ہے: "هذه مقدمة العلوم كلها من لا يحيط بها فلا ثقة فى العلوم اصلا" یعنی علم منطق تمام علوم کا مقدمہ ہے، جو اس پر دست رس نہیں رکھتا اس کے علوم پر بالکل بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

اس پر ابن صلاح کہتے ہیں:

"کہ صحابہ کرام اور امت کے سلف و صالحین علم منطق نہیں جانتے تھے تو کیا ان کے علوم پر بھی بھروسہ نہیں کیا جائے گا؟۔ حالاں کہ یہی حضرات ہمارے لیے سرچشمہ علم ہیں۔ اور ان ہی کے توسط سے علم دین ہم تک پہنچا"۔

ابو الفرج ابن جوزی:

ابن جوزی کا شمار امام غزالی کے زبردست ناقدین میں ہوتا ہے۔ انہوں اپنی کتاب "تلبیس ابلیس" میں متعدّد مقامات پر امام غزالی پر تنقید کی ہے۔ لیکن ابن جوزی کی تنقید اکثر احیاء العلوم ہی کے ارد گرد گردش کرتی نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے احیاء العلوم پر ابن جوزی کی تنقید کے دو بنیادی ماخذ بتائے ہیں۔

{1} ابن جوزی کہتے ہیں کہ غزالی نے احیاء العلوم کی بنیاد صوفیہ کے مذہب پر رکھی ہے، اور فقہی قوانین کا لحاظ نہیں رکھ سکے ہیں۔ ابن جوزی نے احیاء العلوم میں امام غزالی سے منقول صوفیہ کے احوال، زہد و سلوک میں مبالغہ، نفس کشی کے لیے رات بھر سر کے بل قیام اور ریا سے بچنے کے لیے صدقہ کے بجائے مال کو دریا میں ڈال دینے جیسے امور پر تنقید کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا: "فما ارخص باع ابو حامد الغزالى الفقه بالتصوف" غزالی نے کتنی سستی قیمت پر فقہ کو تصوف کے ہاتھ بیچ دیا۔

{2} امام غزالی نے احیاء العلوم میں موضوع حدیثیں ذکر کی

ہیں، ان کی نقل کردہ احادیث میں تھوڑی ہی حدیثیں صحیح ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ غزالی علم حدیث میں دسترس نہیں رکھتے تھے، کاش وہ ان احادیث کو نقل کرنے سے پہلے علم حدیث کی معرفت رکھنے والوں پر پیش کردیتے تو ہر طرح کی احادیث نقل نہیں کرتے۔

ابن تیمیہ:

غزالی کے شدید ترین ناقدین میں ابن تیمیہ بھی ہے۔جو بقول ڈاکٹر قرضاوی علم حدیث وفقہ میں غزالی سے ممتاز ہے۔یہاں تک کہ ان کے بارے میں کہا گیا:"كل حديث لا يعرف ابن تيمية فليس بحديث". [جو حدیث ابن تیمیہ کے علم میں نہیں وہ حدیث نہیں]

ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ سبعینیہ میں امام غزالی کی بعض تصانیف مثلاً"معیار العلم"، "فیصل التفرقہ"اور جواہر القرآن وغیرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہاکہ ان کی تصانیف کے بعض اقوال اور تاویلات سلف صالحین کے طریقے سے متصادم اور فلاسفہ کے نظریات پر مبنی ہیں۔ان کے کلام میں فلسفیانہ نظریات کی آمیزش ہوگئی ہے۔بسا اوقات وہ جن امور کی بنا پر تکفیر کا قول کرتے ہیں بعض دوسرے مقام میں وہی باتیں ان کے موافق ہوتی ہیں۔ابن تیمیہ خاص ایسے موقعوں پر خاص طور سے امام غزالی سے دھو کا کھانے سے بچنے کا مشورہ دیا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے نزدیک غزالی کا ایک مقام اور مرتبہ ہے کہیں اسی مقام و مرتبے کی وجہ سے ان کی ہربات پر یقین نہ کر بیٹھیں۔

ابن تیمیہ فتاویٰ کبریٰ میں کہتاہے کہ غزالی کا علم منطق کے حصول کو فرض کفایہ قرار دیناخطاے فاحش ہے۔کیوں کہ منطق کا بعض حصہ حق ہے اور بعض حصہ باطل۔منطق کے وہ اصول جو حق ہیں ان میں اکثر ایسے ہیں جن کی ضرورت ہی نہیں پڑتی، اور ان میں سے جن کی ضرورت پڑتی ہے ان کے لیے عقل سلیم کافی ہے۔ابن تیمیہ کا کہناہے:"انه علم لا ينتفع به البليد ولا يحتاج اليه الذكى"یعنی منطق ایسا علم ہے جس سے غبی فائدہ حاصل نہیں کرسکتا اور ذہین کو اس کی ضرورت نہیں۔لہٰذا غزالی کا اسے فرض کفایہ قرار دینا لغو ہے۔

ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے اپنی اس کتاب میں امام غزالی کے تعلق سے معاصر علما کے نقد و نظر پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔خصوصاً علم حدیث کے تعلق سے امام غزالی پر لگائے گئے الزامات کو شرح و بسط کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

حاصل کلام:

حضرت امام غزالی کی ہمہ جہت شخصیت کے تعارف اور ان کے تعلق سے علما کی متضاد آرا کی تفہیم کے لیے "الغزالی بین مادحیہ وناقدیہ" ایک اہم ترین تالیف ہے۔جس کے مطالعہ سے امام غزالی کے مادحین اور ناقدین کا منصفانہ جائزہ لینے کے بعد ڈاکٹر یوسف القرضاوی کا جو منہج بحث اور نظریہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ امام غزالی بلاشبہ عمیق فکر، ذہن کی گہری سمجھ اور حقائق و معارف کے رمز شناش ہیں۔ان کے آخری سطور سے یوسف قرضاوی صاحب کا ذاتی جھکاؤ امام غزالی کے مادحین کی طرف معلوم ہوتا ہے۔ان کے کہنے کے مطابق علماے اسلام نے امام غزالی کو جن القاب وآداب سے یاد کیا ہے وہ بلاشبہ ان کے مستحق تھے۔البتہ امام غزالی اور تصوف کی ذیلی سرخی میں ان کی یہ بات بھی تنقیدی مطالعہ سے دیکھے جانے کے لائق ہے، جس میں امام غزالی کے متعلق ان کے نظریے کا دوسرا رخ یہ سامنے آتا ہے کہ امام غزالی فلسفہ، حدیث، فقہ، اصول، عقائد، تفسیر اور کلام جیسے علوم میں نقد و تحقیق کا جو معیار اور منہاج قائم کیا ہے وہ تصوف کے ذیل میں نظر نہیں آتا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ تصوف کے متعلق ان کا معاملہ حد درجہ محبت اور رضا کا ہے۔ایسا لگتا ہے انہوں نے تصوف کی ساری چیزوں کو من وعن قبول کرلی ہے، جو نقد و تحقیق کے معیار سے ہٹ کر ہے۔کیوں کی جب کسی چیز کو محبت میں قبول کی جائے گی تو یہی حال ہوگا، کیوں کہ محبت اندھی اور بہری ہوتی ہے۔قرضاوی صاحب کے اس دوسرے نظریے پر اہل تحقیق کے لیے تفصیلی اور تحقیقی بحث کی بھرپور گنجائش ہے مگر مذکورہ صفحات میں ہمیں مطالعے کا خلاصہ لکھنا منظور تھا اس لیے اتنے ہی پر اکتفا کیا گیا۔

حوالے

7۔ الامام الغزالی بین مادحیہ وناقدیہ، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، ص:94، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت

8۔ الامام الغزالی بین مادحیہ وناقدیہ، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، ص:100، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت

9۔ الامام الغزالی بین مادحیہ وناقدیہ، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، ص:101، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت

10۔ الامام الغزالی بین مادحیہ و ناقدیہ، ڈاکٹر یوسف القرضاوی، ص:102، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت

☆☆☆

گداگری: پیشہ یا مجبوری؟

گداگروں کی بڑھتی تعداد اور اسلامی نقطۂ نظر

مولانا غلام محمد ہاشمی مصباحی: نائب مدیر سہ ماہی پیغام مصطفیٰ، اتر دیناج پور

اسلام عام اور نارمل حالات میں بھیک مانگنے کی اجازت نہیں دیتا۔ دستِ سوال دراز کرنے کی کچھ مخصوص صورتیں اور مجبوریاں ہیں جو عمومی حالات سے مستثنیٰ ہیں۔ دورِ حاضر میں گداگری کی جو عام صورت حال نظر آرہی ہے کہ صحت و تندرستی کے باوجود کچھ لوگوں نے محنت و مزدوری چھوڑ کر بھیک مانگنے کا سستا اور سود مند پیشہ اختیار کر لیا ہے۔ اپنے وجود کو خواہ مخواہ بے کار قرار دے رکھا ہے۔ بتکلف پھٹے پرانے لباس پہن رہے ہیں۔ وضع قطع بگاڑے ہوئے ہیں اور پراگندہ بال وافسردہ حال بن کر اپنی شخصیت مجروح کر رہے ہیں۔ اسلام میں ایسی گداگری کی کوئی جگہ نہیں ہے، اسلام ایسے افراد کو مجرم قرار دیتا ہے۔

بلا حاجت وضرورت بھیک مانگنے کا کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں اسلامی مزاج اور تصور کیا ہے؟ گداگری کو اسلام کس نظر سے دیکھتا ہے، اس مضمون میں انھی امور پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مستغنی [غنی] اور صحت مند کے لیے بھیگ مانگنا جائز نہیں:

مستغنی کی ت عریف:

کتب احادیث میں مستغنی کی تعریف کے حوالے سے تین طرح کی روایات پائی جاتی ہیں:

❶ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ❷ حضرت سہیل بن حنظلہ کی ❸ اور حضرت عطا بن یسار کی۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کے مطابق مستغنی یا غنی وہ شخص ہے جس کے پاس پچاس درہم یا اس کی قیمت موجود ہو۔ سہیل بن حنظلہ کی روایت میں یہ ہے کہ جس شخص کے پاس ایک دن [صبح وشام] کا کھانا موجود ہو وہ غنی ہے۔ اور حضرت عطا کی روایت یہ بتاتی ہے کہ غنی وہ شخص ہے جس کے پاس ایک اوقیہ یعنی چالیس درہم ہو۔ [مفہوماو ملخصا از: مشکاۃ المصابیح، باب من لا تحل له المسألة]

اس طرح سے تین طرح کی روایت اس سلسلے میں پائی جاتی ہیں۔

امام الائمہ کاشف الغمہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک سہیل بن حنظلہ کی روایت راجح ہے اور ان کا مذہب یہ ہے کہ جس کے پاس ایک دن کا کھانا یعنی غذائی ضروریات موجود ہوں وہ غنی ہے۔

صحت مند کی تعریف:

جس شخص کے اعضا [ہاتھ، پیر وغیرہ] صحیح وسالم ہو، اسے صحیح وصحت مند کہا جاتا ہے۔

حکم شرعی:

لہٰذا ایسا شخص جس کے اعضا درست ہوں، صبح وشام کی غذا موجود ہو یا اتنی مقدار کمانے کی طاقت رکھتا ہو اور ستر چھپانے کا کپڑا بھی ہو تو اس کو دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا اور مانگنا ناجائز وحرام ہے۔

مشکاۃ المصابیح میں ہے:

حضرت حبشی بن جنادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إن المسئلة لا تحل لغني ولا لذي مرة سوي. بے شک غنی اور تندرست آدمی کے لیے مانگنا جائز نہیں ہے۔ [مشکاۃ المصابیح، کتاب الزکاۃ، باب من لا تحل له المسألة، ص: 163، مجلس برکات مبارک پور]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس حوالے سے سوال ہوا تو آپ نے تحریر فرمایا:

"قوی، تندرست قابل کسب جو بھیک مانگتے پھرتے ہیں ان کو دینا گناہ ہے کہ ان کا بھیک مانگنا حرام ہے اور ان کو دینے میں اس حرام پر مدد۔ اگر لوگ نہ دیں تو جھک ماریں اور کوئی پیشہ حلال اختیار کریں۔

در مختار میں ہے:

لایحل أن یسأل شیأمن القوت من له قوت یومه بالفعل أوبالقوة کالصحیح المکتسب ویأثم معطیه إن علم بحاله لإعانته علی المحرم۔

ترجمہ: یہ جائز نہیں کہ آدمی کسی سے روزی وغیرہ کا سوال کرے جب کہ اس کے پاس ایک دن کی روزی موجود ہو یا اس میں اس کے کمانے کی طاقت موجود ہو۔ جیسے تندرست کمائی کرنے والا۔ اور اسے دینے والا گنہ گار ہوتا ہے اگر اس کے حال کو جانتا ہو، کیوں کہ یہ ایک فعل حرام پر مدد کرنا ہے۔ [فتاویٰ رضویہ ج:23، ص:463-464۔ رضا فائڈیشن لاہور]

بلاحاجت وضرورت بھیک مانگنے پر وعید:

جو شخص بغیر حاجت وضرورت بھیک مانگتا ہے گویا جہنم کی آگ کا انگارہ مانگتا ہے۔ معجم کبیر میں حضرت حبشی بن جنادہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من سأل من غیر فقر فإنما یأکل الجمر۔

ترجمہ: جو شخص حاجت وضرورت کے بغیر مانگ کے کھاتا ہے گویا جہنم کی آگ کا انگارہ کھاتا ہے۔ [المعجم الکبیر، ج:4، ص:15: باب الحاء، حدیث:3506]

محض مال ودولت میں اضافے کی خاطر دست سوال دراز کرنے پر وعید:

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیه وسلم: من سأل الناس أموالهم تکثرا فإنما یسأل جمرا، فلیستقل أو لیستکثر۔

ترجمہ: اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص مال ودولت میں اضافہ کی خاطر لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے وہ جہنم کی آگ کے انگارے کا سوال کرتا ہے۔ تو وہ، چاہے تو زیادہ سوال کرے یا کم۔ [صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب کراہۃ المسألۃ للناس، ص:401، حدیث:2399]

اس حدیث پاک کی شرح میں مرأۃ المناجیح میں ہے:

یعنی بلاسخت ضرورت بھیک مانگے، بقدر حاجت مال رکھتا ہو۔ زیادتی کے لیے مانگتا پھرے تو وہ گویا دوزخ کے انگارے جمع کر رہا ہے۔ چوں کہ یہ مال دوزخ میں جانے کا سبب ہے اس لیے اسے انگارہ فرمایا۔ [مرأۃ المناجیح، ج:3، ص:55]

روز قیامت بھیک مانگنے والوں کا حشر برا ہوگا:

قیامت کے دن پیشہ ور بھکاریوں کی بڑی ذلت ورسوائی ہوگی، ان کے چہروں پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔ یا تو درحقیقت گوشت ہی نہ ہوگا یا پھر یہ ذلت ورسوائی سے کنایہ ہے:

شعب الایمان میں ہے:

عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: من سأل الناس من غیر فاقة نزلت به، او عیال لا یطیقهم، جاء یوم القیمة بوجه لیس علیه لحم۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص لوگوں سے مانگتا پھرے اس حال میں کہ نہ اس پر فاقہ آیا ہوا ہو اور نہ ہی اتنے بال بچے ہوں جن کی کفالت کی طاقت نہیں رکھتا تو قیامت کے دن وہ اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔ [شعب الایمان، باب فی الزکاۃ، فصل: فی الاستعفاف عن المسألۃ، ج:2، ص:274]

بھیک مانگنے یا سوال کرنے کی کچھ جائز صورتیں:

صحیح مسلم میں ہے:

عن ابی قبیصة بن مخارق قال: تحملت حمالة فأتیت رسول الله صلی الله علیه وسلم أسئله فیها،فقال: أقم حتی تأتینا الصدقه فنأمرلك بهاثم قال: یاقبیصة! إن المسألة لاتحل الالأحدثلثة، رجل تحمل حمالة فحلت له المسألة حتی یصیبهاثم یمسك، ورجل اصابته جائحة اجتاحت ماله فحلت له المسألة حتی یصیب قوامامن عیش اوقال سدادا من عیش، ورجل اصابته فاقة حتی یقوم ثلثة من ذوی الحجی من قومه لقداصابت فلانافاقة فحلت له المسألة حتی یصیب قوامامن عیش اوقال سدادامن عیش، فماسواهن من المسألة یاقبیصه ،سحت یاکلهاصاحبهاسحتا.

ترجمہ:حضرت قبیصہ بن مخارق سے مروی ہے فرمایا:کہ ایک مرتبہ میں ایک شخص کاضامن ہواپھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیااوراس کے بارے میں سوال کیاآپ نے فرمایا:یہاں ٹھہرویہاں تک کہ ہمارے پاس صدقہ کامال آجائے اور ہم تیرے لیے کچھ کریں، پھر مجھے مخاطب کرکے فرمایا:اے قبیصہ تین شخصوں کے علاوہ کسی کوسوال کرنا[مانگنا]جائزنہیں،ایک وہ جوضامن ہوااورضمانت اس پراتنی آئی جس کاوہ اہل ہی نہیں،اپنی ضمانت کی حدتک وہ مانگ سکتاہے اس سے زائدنہیں۔ دوسراوہ جسے ایسی آفت پہنچی کہ جس نے اس کاسارامال تباہ کردیاتووہ اس حدتک مانگ سکتاہے کہ اپنے پاوں پرکھڑے ہوسکے. اورتیسراوہ شخص جن کوفاقہ کی نوبت آگئی ہویہاں تک کہ اس کی قوم کے تین معتبر شخص اس بات کی گواہی دیں کہ فلاں کوفاقہ پہنچاہے،اسے اس قدرسوال کرناجائزہے کہ اس کی محتاجی دور ہوجائے۔پھر فرمایا:اے قبیصہ!ان تین قسم کے آدمیوں کے علاوہ کسی اور کوسوال کرناحرام ہے ان کے علاوہ جوشخص سوال کرکے کھاتاہے وہ حرام کھارہاہے۔[صحیح مسلم،کتاب الزکاۃ،باب من تحل لہ المسألۃ،حدیث1044]

مشکاۃ المصابیح میں حضرت انس سے مروی ایک طویل حدیث کے اخیر میں ہے: اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک انصاری سے فرمایا:

إن المسألة لاتصلح الالثلثة لذی فقرمدقع اولذی عزم مفظع اولذی دم موجع.

ترجمہ:سوال کرناتین اشخاص کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں۔ ایک ایسامحتاج جس کی محتاجگی نے اسے زمین پرڈال دیا ہو.دوسراایساشخص جس کے ذمے بھاری قرض ہواوراس کی ادائیگی کی اس میں استطاعت نہ ہو،تیسراوہ جس نے کسی کی ضمانت لے لی اوراس کی ادائیگی کے لیے اس کے پاس کچھ نہ ہو۔[مشکاۃ المصابیح، کتاب الزکاۃ،باب من لاتحل لہ المسألۃ،ص:163،مجلس برکات]

لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانے کی برکتیں:

مذکورہ احادیث مبارکہ سے یہ بات بالکل عیاں ہے کہ حاجت وضرورت کے وقت بقدرکفایت مانگناجائزہے مگر یہ بھی حدیث پاک سے ثابت ہے کہ جہاں تک ہوسکے مانگنے سے بچنااور پرہیزکرناچاہیے،اپنی زندگی میں آنے والی پریشانیوں اورآفات پرصبرکرناچاہیے،صبربڑی دولت اور نعمت ہے۔جوشخص صبرکادامن تھام لیتاہے کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتااس کے لیے جنت کی بشارت ہے۔

سنن نسائی میں ہے:

عن ثوبان قال ،قال رسول الله صلی الله علیه وسلما:من یکفل لی أن لایسأل الناس شیئافأتکفل له بالجنة ،فقال ثوبان:أنا،فکان لایسأل أحداشیأ

ترجمہ:حضرت ثوبان سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:کون ہے جومجھے اس بات کی ضمانت دے کہ کسی سے کوئی سوال نہ کرے گا،میں اسے جنت کی ضمانت دیتاہوں۔ حضرت ثوبان نے عرض کیا:میں ، چناں چہ اس کے بعد حضرت ثوبان نے کبھی کسی سے کوئی سوال نہ کیا۔[سنن نسائی،کتاب الزکاۃ،باب من لایسأل الناس شیئا۔ مشکاۃ، کتاب الزکاۃ،باب من لاتحل لہ المسألۃ،ص:163،مجلس برکات]

وضاحت: تنگی اور محتاجی اگر قابل برداشت ہوتواللہ تعالی کی

ذات پر کامل اعتماد کرکے صبر وتحمل سے کام لینا چاہیے۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا چاہیے۔ اس طرح آدمی بلا شبہہ حدیث پاک میں موجود بشارت کا حق دار ہوگا۔ لیکن اگر بھوک وپیاس قابل برداشت نہ ہو۔ جان جانے کا اندیشہ ہو تو مانگنے کی اجازت ہے۔ بلکہ ایسی حالت میں بقدر کفایت مانگ کر جان بچانا فرض ہے۔

صحیح مسلم میں ہے:

عن أبي سعيد الخدري قال: إن اناسا من الانصار سالوا رسول الله صلى الله عليه وسلم فأعطاهم حتى نفد ما عنده ،فقال: مايكون عندي من خير فلن ادخره عنكم ،ومن يستعف يعفه الله ،ومن يستغن يغنيه الله، ومن يتصبر يصبره الله، وما أعطى عطاء هو خير و أوسع من الصبر۔

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ کچھ انصاریوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مانگا، آپ نے عطافرمایا، پھر مانگا آپ نے پھر عطافرمایا: پھر مانگا آپ نے پھر عطافرمایا، یہاں تک کہ وہ مال جو آپ کے پاس تھا ختم ہو گیا۔ تب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس جو بھی مال ہوگا میں اسے ہرگز جمع نہ رکھوں گا اور سنو! جو شخص سوال سے بچنا چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے بچائے گا اور جو غنی بننا چاہے گا، اللہ تعالیٰ اسے غنی کردے گا اور جو صبر کرنا چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے صبر دے گا۔ اور صبر سے بڑھ کر اور اس سے زیادہ وسیع نعمت کسی کو نہ ملی۔ [صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب التعفف والصبر، حدیث: 1053]

اس حدیث پاک میں صبر کرنے اور رب سے بھیک مانگنے کا واضح درس موجود ہے۔ ہمیں محتاجی اور درماندگی کی حالت میں کثرت سے رب کو یاد کرنا چاہیے۔ گناہوں کی مغفرت طلب کرنی چاہیے اور صبر کرنا چاہیے۔

اپنی محتاجی کا اظہار لوگوں سے نہیں اللہ سے کرنا چاہیے:

سنن ابوداود میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من أصابته فاقة فأنزلها بالناس لم تسد فاقته ومن أنزلها بالله أوشك الله له بالغنى إما بموت عاجل اوغنى آجل.

ترجمہ: جس شخص کو فاقہ پہنچا اور اس نے لوگوں کے سامنے بیان کیا تو اس کا فاقہ بند نہ کیا جائے گا اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی تو اللہ تعالیٰ اسے [لوگوں سے] بے نیاز کردے گا یا تو جلد موت دے کر یا جلد مالدار بنا کر۔ [سنن ابوداود، کتاب الزکاۃ، باب فی الاستعفاف، ج:2، ص:170]

لوگوں سے اپنی محتاجی چھپانے اور اللہ کے یہاں ظاہر کرنے کی برکتیں:

جو لوگ اپنی درماندگی لوگوں سے بیان نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ سے بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انھیں ایک سال کی حلال روزی عطا فرمادیتا ہے۔

معجم کبیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :من جاع اواحتاج فكتمه الناس اوافضى به الى الله كان حقا على الله ان يفتح له قوت سنة من حلال۔

ترجمہ:۔ اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص بھوکا یا محتاج ہوا اور اس نے آدمیوں سے چھپاکر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا تو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ ایک سال کی حلال روزی اس پر کشادہ فرمادے۔ [معجم کبیر، ج:1، ص: 141، حدیث:214]

مانگنا ہی ہو تو نیکوں سے مانگنا چاہیے:

مشکاۃ المصابیح میں ہے:

عن ابن الفراسي ان الفراس قال،قلت لرسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم اسال يارسول الله ، فقال النبي صلى الله عليه وسلم :لا،وان كنت

لابن،فسل الصالحین۔

ترجمہ:حضرت ابن فراسی سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ میرے والد فراسی نے فرمایا:میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا! یارسول اللہ ﷺ ! کیامیں لوگوں سے مانگ سکتاہوں ؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:نہیں ،اگرکسی شدید ضرورت یاسخت حاجت کی وجہ سے مانگناضروری ہی ہوتو پھر نیکوں سے مانگو۔[مشکاۃ المصابیح ،کتاب الزکاۃ باب من الاتحل لہ الصدقہ،الفصل الثالث،ص:163،مجلس برکات]

وضاحت: نیک بختوں کے پاس حلال مال ہوتاہے وہ بردباراور مہربان ہوتے ہیں ،مانگنے والوں کی پردہ دری نہیں کرتے اورنہ ان کے ناموں کواچھالتے ہیں۔اس لیے خصوصًاان سے مانگنے کوکہا گیاہے۔

مانگنے کے کچھ نامناسب طریقے:

اللہ تعالیٰ کاواسطہ دے کرلوگوں سے نہیں مانگنا چاہیے۔

بعض مانگنے والے یہ کہہ دیاکرتے ہیں کہ اللہ [عزوجل]کے لیے دے دو،خداکے واسطے کچھ دے دو،ایسانہیں کہناچاہیے۔حدیث پاک میں بہت سخت ممانعت آئی ہے۔ایک حدیث شریف میں ایسے شخص کوملعون اورایک میں بدترین خلائق کہا گیاہے۔

ہاں اگرکوئی منگتاان الفاظ کاسہارالے کرمانگ ہی لے سوال اگربرانہ ہواور جس سے مانگا گیاہے فی الوقت دینے پر قادر ہو تو حکم یہ ہے کہ ازراہ ادب دے دے اوراگرسوال براہوتونہ دے۔

الترغیب والترہیب میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

قال رسول اللہ ﷺ : ملعون من سأل بوجه الله .وملعون من سئل بوجه الله ثم منع سائله مالم يسأل هجرا۔

ترجمہ: اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: ملعون ہے وہ شخص جواللہ کے واسطے سوال کرے،اور ملعون ہے وہ جس سے اللہ کے واسطے سے سوال کیا گیااوروہ نہ دے، جب تک کہ اس سے قبیح چیزکے بارے میں سوال نہ کیاجائے ۔[الترغیب والترہیب ،کتاب الصدقات ،ترہیب المسائل ان یسال بوجہ اللہ الخ،ج:1،ص:340]

مساجداور متبرک مقامات میں لوگوں سے مانگنانامناسب ہے:

مساجداور متبرک مقامات مثلاًمکہ،مدینہ،اورعرفات وغیرہ میں لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاناخلاف ادب اوربڑی محرومی ہے. حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کوعرفہ کے دن میدان عرفات میں مانگتے دیکھاتوآپ نے اسے دُرّے لگاے۔

مشکاۃالمصابیح کی حدیث ہے:

عن علی انه سمع يوم عرفة رجلايسال الناس فقال فی هذاالیوم وفی هذاالمكان تسال من غيرالله فخفقه بالدرة.

ترجمہ:حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے عرفہ کے دن ایک شخص کولوگوں سے سوال کرتے سناتوفرمایا: کیاتواس متبرک دن اور بابرکت جگہ میں غیرخداسے مانگ رہاہے ؟ پھرآپ نے اسے دُرّے لگائے۔[مشکاۃ المصابیح ،کتاب الزکاۃ،باب من لاتحل لہ المسألۃ،ص:163،مجلس برکات]

ادنیٰ روزی کمانابھیک مانگنے سے بہترہے:

صحیح بخاری میں حضرت زبیربن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : لأن يأخذاحدكم حبله فياتي بحزمة حطب على ظهره فيبيعهافيكف الله بهاوجهه خيرله من أن يسال الناس اعطوه اومنعوه.

ترجمہ: اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:کوئی شخص رسی لے کرکے جائے،اپنی پیٹھ پرلکڑیوں کاگٹھالاکربیچے اوراس کی وجہ سے اللہ تعالی سوال کی ذلت سے اس کے چہرے کوبچائے یہ اس سے بہترہے کہ لوگوں سے سوال کرے اورلوگ اسے دیں یانہ دیں ۔[صحیح بخاری،کتاب الزکاۃ،

باب الاستعفاف عن المسالۃ،ج:1،ص:497]

اس حدیث پاک میں رزق کے لیے محنت کرنے اور مشقت اٹھانے کو بہتر کہا گیا ہے۔اور اس میں یہ بھی ہے کہ جو کسب رزق کے لیے کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عزت کی زندگی عطا فرماتا ہے۔

رزق کمانے کے لیے محنت و مزدوری کرنے کی ترغیب:

سنن ابوداود میں ہے:

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک انصاری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر سوال کیا. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمھارے گھر میں کچھ نہیں ہے؟ عرض کی: موجود ہے،ایک ٹاٹ ہے جس کا کچھ حصہ ہم بچھا لیتے ہیں کچھ اوڑھ لیتے ہیں،اور ایک پیالہ ہے جس میں پانی پیتے ہیں۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں چیزیں یہاں لے آو۔انصاری نے حکم پر عمل کرتے ہوئے دونوں چیزیں حاضر کردیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا: یہ کون خریدتا ہے؟ ایک شخص نے عرض کی میں ایک درہم میں لیتا ہوں،آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو یا تین بار فرمایا: ایک درہم سے زیادہ کون دیتا ہے؟ ایک صاحب بولے: میں دو درہم میں لیتا ہوں،دونوں چیزیں ان کو دے دیں اور دو درہم لے کر انصاری کو دے دیے اور فرمایا: ایک درہم کا غلہ [راشن] خرید کر گھر میں دے دو اور دوسرے درہم کی کلہاڑی خرید کر یہاں لے آؤ،وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کلہاڑی خرید کر لائے،آپ نے اپنے دست اقدس سے اس میں دستہ ڈالا پھر فرمایا: جاو لکڑیاں کاٹو اور بیچو اور اب میں تمہیں پندرہ دن تک نہ دیکھوں،پھر وہ انصاری لکڑیاں کاٹتے اور بیچتے رہے۔دوبارہ حاضر ہوئے تو دس درہم کما چکے تھے۔مدینے کے تاجدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: چند درہم سے غلہ خریدو اور کچھ کا کپڑا،پھر فرمایا: یہ اس سے بہتر ہے کہ تم لوگوں سے مانگتے سوال کرتے اور قیامت کے دن وہ سوال تمھارے منھ پر چھالا ہوکر آتا۔[سنن ابوداود،کتاب الزکاۃ،باب ماتجوز فیہ المسالۃ،ج:2،ص:168]

سبق:۔جس شخص کے گھر کا مجموعی اثاثہ ایک ٹاٹ اور ایک پیالہ ہو بلا شبہ اس کے محتاج ہونے میں کوئی شک نہیں مگر چوں کہ وہ معذور نہیں تھا بلکہ قوی اور کمانے کے قابل تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کچھ نہ دیا۔بلکہ آپ نے انھیں کسب و کمائی کی اہمیت بتائی،نیز یہ درس عطا فرمایا کہ رزق حلال کے لیے کسی بھی جائز پیشے کا سہارا لیا جا سکتا ہے۔ آج جو لوگ چھوٹے اور معمولی حلال پیشے کو باعث ننگ و عار سمجھ رہے ہیں ان کی اصلاح کے لیے یہ حدیث پاک بہت معاون ہے۔پیشہ چاہے کیسا بھی ہو جائز اور حلال ہونا چاہیے ہمارے جس دینی بھائی نے حلال روزی کمانے کے لیے چھوٹا موٹا پیشہ اختیار کر لیا ہے، ناجائز اور باطل راہوں کو الوداع کہ دیا ہے وہ لائق تحسین اور قابل مبارک باد ہے۔

مرآۃ المناجیح میں ہے:

حلال پیشہ خواہ کتنا ہی معمولی ہو بھیک مانگنے سے افضل ہے کہ اس میں دنیا و آخرت میں عزت ہے۔افسوس! آج بہت سے لوگ اس تعلیم کو بھول گئے،مسلمانوں میں صدہا خاندان پیشہ ور بھکاری بن گئے ہیں۔[مرآۃ المناجیح،ج:3،ص:65]

❁❁❁

عید میلاد النبی اور ہماری ذمے داریاں

علامہ محمد احمد مصباحی: ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ مبارک پور

سوالات:

❶ میلاد النبی کے مبارک موقع پر جلسوں اور جلوسوں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

❷ مروجہ امور میں قابل اصلاح پہلو کیا ہیں؟

❸ سیرت النبی اور اس کے پیغام کو عام کرنے کے لیے کیا طریقے اختیار کرنا چاہیے؟

❹ اس موقع دعوت اسلام کا کام کس طرح موثر اور نتیجہ خیز انداز میں کیا جاسکتا ہے؟

❺ انٹرنیٹ اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعہ سیرت پر کیے گئے اعتراضات کا جواب کس طرح دینا چاہیے؟

❶ اس موضوع پر کتابیں لکھی جاچکی ہیں اور جشن میلاد کا جواز ثابت کیا گیا ہے۔ ثبوت میں وہ آیات واحادیث پیش کی گئی ہیں، جن میں اللہ کی نعمتوں اور نعمتوں کے ایام کی یاد منانے کی تاکید کی گئی ہے، اسی طرح وہ جن میں نعمتوں کے چرچا کرنے اور ان پر خوشی منانے کا حکم آیا ہے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد مبارک سارے جہان کے لیے بالخصوص اہل ایمان کے لیے اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ اس نعمت اور یوم نعمت پر جشن مسرت جائز و مستحسن بھی ہے اور سچی غلامی ووفاداری کا تقاضا بھی، شرط یہ ہے کہ کوئی ایسا کام نہ ہو جو شریعت کے خلاف ہو۔ جائز حدود میں رہ کر خوشیاں منائی جائیں اور اپنے کردار وعمل سے بھی وقار وعظمت کا اظہار کیا جائے۔

❷ مروجہ امور کی تفصیل بتائیں تو قابل اصلاح پہلو بتائے جاسکتے ہیں، مختلف ممالک اور علاقوں میں کیا رواج ہے، اس کی تفصیل بروقت دشوار ہے، ہمارے دیار میں یہ ہوتا ہے کہ چھوٹے یا بڑے پیمانے پر محفلیں اور جلسے منعقد ہوتے ہیں، جن میں سیرت پاک اور دوسرے دینی موضوعات پر تقریریں ہوتی ہیں اور نعتیں پڑھی جاتی ہیں، ان میں قابل اصلاح پہلو وہی ہے جو دوسرے جلسوں میں ہے، وہ یہ کہ جو کچھ بیان کیا جائے وہ مستند ہو اور ایسی باتیں بیان کی جائیں جن سے سامعین کے علم، عمل، عقائد کی پختگی اور عقیدت کے حسن میں اضافہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ رات یا دن کا قیمتی وقت صرف کرنے کے بعد بھی عوام کو فائدہ بہت کم ہو، ان کے ذہن میں صرف مقرر کا زور بیان رہ جائے اور نعت کا خواں کا ترنم ---نہ علم ہے، نہ جذبۂ عمل، نہ عقائد کی صلابت۔

جلوسوں میں یہ ہوتا ہے کہ مختلف راستوں سے گزرتے ہوئے یا کہیں کہیں ٹھہر کر نعتیں پڑھی جاتی ہیں، اس میں بھی یہ ملحوظ رہے کہ جو پڑھا جائے وزن اور معنی ہر لحاظ سے درست اور مستند ہو۔ سرکار کی عظمت کا اظہار اور عقیدت کی بے داری مقصود ہو، صرف اپنے کمال کا اظہار مقصود نہ ہو، گشت کرنے میں لہو ولعب اور ہنسی مذاق سے پرہیز ہو تاکہ اس یوم کی عظمت اور اس کا وقار ظاہر ہو۔ بہتر ہے کہ جب نعتیں پڑھی جائیں تو مختصر درود یا کلمہ اور کسی مختصر ذکر کی تکرار میں خود کو مشغول رکھا جائے، تاکہ ذہن وفکر اور زبان واعضا کے لیے دوسری کسی سمت جانے سے امان حاصل ہو۔

بعض جگہوں میں اس موقع پر چراغاں اور آرایش وزیبایش میں مقابلے کا رواج چل پڑا ہے۔ مقابلے کی نہ کوئی ضرورت ہے نہ افادیت۔ بغیر مقابلے کے بس اتنا اہتمام کافی ہے کہ ہمارے بچوں اور دوسرے لوگوں پر یہ عیاں ہو جائے کہ آج مسلمانوں کی خوشی کا دن ہے۔ پوری دنیا کو پاکیزگی اور نجات کی راہ دکھانے والے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد کا پاک دن ہے۔ مناسب ہوگا کہ آرائش کے مصارف کم کر کے عقائد واعمال کی اصلاح اور سیرت طیبہ سے

متعلق مستند اور دل نشیں کتابیں ضرورت مندوں میں تقسیم کی جائیں۔ یتیموں، ناداروں، تنگ دست بیماروں کی ضروریات معلوم کر کے ان کی مدد کی جائے۔ ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ نے کم زروں اور پریشان حالوں کے دکھ درد میں ان کی خبر گیری فرمائی، اس اسوۂ حسنہ کو ہم بھی اپنانے کی کوشش کریں۔ ان کے اخلاق کریمانہ کو زندہ و تابندہ کرنا بھی ان کی یاد منانے کا ایک باوقار طریقہ اور قابل تقلید نمونہ ہے۔

③ [الف] سیرت پاک کے مختلف حصوں کو ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا جائے اور ایک دو ماہ قبل یا اور پہلے مقررین کو عنوانات دے دیے جائیں کہ مستند کتابوں کی روشنی میں وہ ان عنوانات کے مواد اور ان کے سبق آموز گوشے سلیس اور دل پذیر انداز میں جمع کریں۔ بھرپور تیاری کے ساتھ اس طرح بیان کریں کہ لوگ دل چسپی سے سنیں، دل و دماغ میں بٹھائیں، اور قابل عمل گوشوں کو اپنی زندگی میں اتاریں۔

[ب] ذیلی عنوانات پر الگ الگ عام فہم اور اثر انگیز کتابیں بھی تیار کی جاسکتی ہیں، اس طرح کہ یہ سلسلہ وار خاص ترتیب کے ساتھ لکھی جائیں کہ اگر یک جا ہوں تو مکمل کتابِ سیرت کا کام دیں اور الگ الگ ہو تو اجزا اور حصوں کا کام دیں۔ پھر پورا سِٹ یا الگ الگ اجزا حسبِ طلب لوگوں میں تقسیم کیے جائیں، برائے نام کچھ قیمت بھی رکھی جائے، تاکہ وہی لوگ حاصل کریں جو پڑھ سکیں اور فائدہ اٹھائیں۔

ج۔ نمبر [الف] کے مطابق تقریروں کی کیسٹیں تیار کر کے تقسیم کی جائیں، تاکہ جو پڑھنے کے بجائے سننے سے دل چسپی رکھتے ہوں وہ اس راہ سے سیرت آشنا اور سیرت طیبہ سے اثر پذیر ہوں۔ نمبر [ب] کی سی ڈی بہ کثرت تیار کر کے ان لوگوں کو دی جاسکتی ہے جو کمپیوٹر پر یا خود پرنٹ نکال کر مطالعہ کریں۔ یہ کتابیں انٹرنیٹ پر بھی دی جاسکتی ہیں۔

[د] تقریر و تحریر ملکوں اور علاقوں کے لحاظ سے مختلف زبانوں میں تیار ہونی چاہیے، ورنہ افادیت کسی ایک خطے یا علاقے تک محدود رہے گی، بہتر ہوگا کہ ہر ملک اور علاقہ کے لوگ باہم رابطہ کر کے مناسب انداز اور مستند مآخذ کی روشنی میں یہ کام کریں، یا الگ الگ کریں تو بھی یہ لحاظ ضرور رکھیں کہ جو کچھ تیار ہو وہ مستند، موثر اور دل نشین ہو، سیرت پر ہر زبان میں بہت سا کام کیا ہوا موجود ہے، بس نظر ثانی کر کے حالات اور جدید تقاضوں کے مطابق نیا انداز دینے اور عام فہم بنانے کے لیے کوشش کرنی ہوگی، یہ کام بھی بہت آسان نہیں، تجربہ، محنت اور خاصا وقت ضرور درکار ہوگا۔

④ سیرت طیبہ میں اس پہلو کو واضح کیا جائے کہ بعثت خاتم النبیین علیہ وعلیہم الصلاۃ والتسلیم کے موقع پر فکری و عملی آوارگی کیا تھی، اور سرکار نے کس طرح دین حق اور اخلاق فاضلہ کو انسانوں کی زندگی میں اتارا، پھر یہ بتایا جائے کہ آج بعض قومیں دنیا کو پھر اسی فکری و عملی پستی کے غار میں ڈالنا چاہتی ہیں جس سے نکال کر پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انسانیت کو ایک بلند مقام پر پہنچایا تھا۔ اس لیے اہل خرد اگر پستی سے نکلنا اور بلندی پر پہنچنا چاہتے ہیں تو انھیں رسول اسلام علیہ الصلاۃ والسلام کی ہدایات و تعلیمات کو گلے لگانا ہوگا، ورنہ اپنے برے انجام کے ذمے دار وہ خود ہوں گے۔

⑤ نمبر 3 کے تحت مندرج چیزیں جب عام ہوں گی تو سیرت پر کیے جانے والے اعتراضات کے جوابات ہو جائیں گے۔ وہ اس طرح کے جس گوشے سے متعلق اعتراض ہو وہیں یہ بتادیا جائے کہ سیرت کا صحیح واقعہ یہ ہے،، کچھ دشمنوں نے غلط طور پر یہ پھیلایا ہے، جس کی کوئی بنیاد نہیں۔ یا سیرت کے اس واقعہ کا مفاد یہ ہے اور کچھ لوگوں نے دشمنی میں یہ مطلب نکالنا چاہا، جو غلط اور باطل ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک کتاب سیرت اسی انداز پر تیار ہو کہ اس میں قابل اعتراض مقامات کو پہلے صحیح اور مستند شکل میں پیش کیا جائے، پھر اس پر اعتراض کر کے جواب واضح کر دیا جائے، اور یہ کتاب انٹرنیٹ پر دے دی جائے، مگر اس طرح کے مواد کا عنوان ایسا ہونا چاہیے کہ تلاش کرنے والا بہت جلد اسے پا جائے، بلکہ ایسی تشہیر ہونی چاہیے کہ نہ تلاش کرنے والے کے علم میں بھی آجائے، کہ اس موضوع پر فلاں لفظ کے تحت معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ ماہرین اس بارے میں مناسب رہنمائی کر سکتے ہیں۔

[نوٹ: سوالات استاذی الکریم حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی اڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کے مرتب کردہ ہیں، جو ماہ نامہ اشرفیہ مارچ 2008ء کے مسائل و مباحث کے کالم میں شامل ہیں۔ مدیر]

❁❁❁

نسل نو میں منشیات کا پھیلتا زہر

مولانا توفیق احسن برکاتی مصباحی: استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ

منشیات سے مراد وہ تمام چیزیں اور دوائیں ہیں جو نشہ پیدا کرتی ہیں۔ شراب، ہیروئین، افیون، چرس، گانجا، بھنگ، وہسکی، ایم ڈی وغیرہ، اسی طرح نشہ آور انجکشن بھی مارکیٹ میں دستیاب ہے، جسے نشہ نہ کہہ کر کیف وسرور کا نام دیا گیا ہے، یہ بھی منشیات کے زمرے میں آتا ہے اور انسانی جانوں کو لمحہ لمحہ موت کی دہلیز تک پہنچا دیتا ہے۔

مذہب اسلام نے اکل وشرب کے ان تمام طریقوں کو حرام قرار دیا ہے جو نشہ لاتے ہیں، جو انسانوں کو بے عقل کر دیتے ہیں، اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو زنگ آلود بنا دیتے ہیں، اور جس سے اس کے حواس مختل ہو جاتے ہیں اور وہ اختلاج قلب واختلال دماغ کا مریض بن جاتا ہے۔ کیوں کہ اسلام ایک پاکیزہ معاشرے کی تشکیل چاہتا ہے جہاں امن ہو، انسانیت ہو، جرائم سے پاک زندگی ہو، معاشرتی حقوق کی حفاظت ہو، انسانی رشتوں کا تحفظ ہو اور منشیات کے جملہ طریقے مذکورہ تمام بنیادوں کو اکھاڑ دینے والے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں منشیات سے متاثرہ افراد زیادہ ہیں اور بلا روک ٹوک نشہ آور چیزوں کے استعمال میں منہمک ہیں وہاں کا ماحول امن وآشتی سے خالی ہے، اور زندگیاں جرائم میں ڈوبی ہوئی ہیں، معاشرتی وخاندانی حقوق کی پامالی کا گراف کافی اونچا ہے اور انسانی رشتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

نشہ اس وقت ایک عام مسئلہ بن چکا ہے اور اس کے حل کی جتنی موثر کوشش ہونی چاہیے۔ نہیں کی جا رہی ہے، جس کی وجہ سے اس کی زہرناکیوں اور ہلاکت خیزیوں نے قوموں کو تباہی کے دہانے تک پہنچا دیا ہے، اس کے کر یہ شکنجے میں نسلیں اپنی کامیاب زندگیاں بخوشی دے رہی ہیں اور اس کی تباہ کاریوں کا انھیں احساس تک نہیں ہو رہا ہے۔ دنیا کے ترقی یافتہ ممالک مافیاؤں کی راجدھانی بن چکے ہیں، جرائم کا گڑھ ہو چکے ہیں، منشیات کی منڈی میں تبدیل ہو چکے ہیں، جہاں شراب کی خرید وفروخت پر کوئی پابندی نہیں ہے، البتہ دیگر نشہ آور چیزیں غیر قانونی طور پر سپلائی کی جاتی ہیں اور ادویات کی اسمگلنگ ہوتی ہے۔

منشیات میں ملوث افراد دو گروپ میں بٹے ہوئے ہیں، ایک گروپ ہائی پروفائل لوگوں پر مشتمل ہے، یہ مالداروں کا وہ طبقہ ہے جو پوش[Posh] علاقوں میں رہائش پذیر ہے، جن کے یہاں دولت کی ریل پیل ہے، اسباب آرائش کی فراوانی ہے۔ یہ عیش وعشرت کے شوقین ہیں، فیشن اور مغربیت کے دلدادہ ہیں۔ وہ خود بھی ان کے بچے بھی، لڑکے لڑکیاں سب، یہ بچے مہنگے میڈیکل اور انجینئرنگ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ان کا مزاج اور رہن سہن بالکل عاشقانہ اور عیاشانہ ہوتا ہے، یہ گینگ کی شکل میں بہت جلد تشدد پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں، ان میں چند ہی ایسے ہوتے ہیں جو آوارہ مزاج نہ رکھتے ہوں گے، یہ بچے گھر میں رہتے ہوں یا ہاسٹل میں قیام کرتے ہوں، اکثر شراب کے عادی ہوتے ہیں، دوستی اور ہمدردی کے نام پر جنسی تعلقات تک سے گریز نہیں کرتے، گرل فرینڈ ان کی زندگی کا لازمی حصہ ہوتی ہے، یہ بچے اور ان کے والدین فیشن کے نام پر بھی منشیات میں ملوث ہوتے ہیں، اعلی دماغ اور ترقی کے نام پر بھی وہ مختلف جرائم میں ملوث نظر آتے ہیں اور اسے غلط نہیں سمجھتے۔ مختلف مواقع پر منعقد کی جانے والی پارٹیاں اور شادی بیاہ کی تقریبات میں شراب کا دور برہنہ، نیم برہنہ ڈانس عام سی بات ہوتی ہے۔ اس معاملے میں مشرق ومغرب کا امتیاز بھی اٹھ چکا ہے۔

دوسرا گروپ انتہائی غریب، دبے کچلے گھر سے بے گھر افراد پر مشتمل ہوتا ہے، ان کی اپنی کوئی نوکری نہیں ہوتی، وہ دن بھر یہاں وہاں پاکٹ ماری کا کام کرتے ہیں، آنکھوں میں دھول جھونک کر روپے اڑا لیتے ہیں، ان میں معدودے چندی اور بھنگار کی چھوٹی چھوٹی چیزیں اکٹھا کر کے دکانوں پر فروخت کرتے ہیں اور پھر ان روپوں کی شراب اور نشیلی اشیا خرید کر اپنے ذوق کو تسکین دیتے ہوئے راتیں بسر کر لیتے ہیں، ان میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو گلی کے نکڑوں پر، گندی

جگہوں پر اپنا ایک مخصوص اڈہ بنا لیتے ہیں اور گروپ کی شکل میں بیٹھ کر یہ سفاک شغل کرتے دکھائی دیتے ہیں، ان کے لیے رات دن کی کوئی قید نہیں ہوتی، یہ بڑے ڈھیٹ قسم کے ہوتے ہیں، ان کی اپنی گینگ بھی ہوتی ہے جو ان کے خلاف کسی قسم کی تادیبی کارروائی کو ناکام بنا دینے پر تل جاتی ہے۔ اس گروپ میں بچے سے لے کر بوڑھے تک ہوا کرتے ہیں، آوارہ مزاجی ان کی رگ رگ میں سمائی رہتی ہے، بسا اوقات شادی شدہ اوباش قسم کے مرد بھی یہ گھناونا اور گھٹیا کام کرتے ہیں۔ لیکن ہاں ایک تیسرا طبقہ بھی ہے، وہ بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو چھوٹا موٹا کاروبار کرتے ہیں، دوکانوں اور کمپنیوں میں نوکریاں کرتے ہیں یا کالج میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، یہ منشیات کے شوقین ہوتے ہیں، ان میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو شراب نوشی کے لیے اپنی بیویوں کے زیورات تک بیچ ڈالتے ہیں۔

منشیات میں ملوث جن تین گروہوں کی وضاحت ہم نے کی ہے، یہ صرف ہر ملک کے ترقی یافتہ شہروں میں زیادہ پائے جاتے ہیں، جہاں تجارت ہوتی ہے، نوکریاں ہوتی ہیں، جہاں شراب نوشی قانونی جرائم میں شامل نہیں ہے، نشہ ان کے لیے ایک شوق ہوتا ہے، بڑے پن کی نشانی کے طور پر بھی کچھ لوگ ان خرافات کو مانتے ہیں۔ ہندستان کے چند ہی صوبے ایسے ہیں جہاں شراب پر ریاستی حکومت کی جانب سے قانونی پابندی لگی ہوئی ہے، اگرچہ وہاں بھی چوری چھپے نشہ خور افراد ان قبیح چیزوں کے استعمال کی راہ نکال لیتے ہیں، اور قانون بے بسی کا اظہار کرتا دکھائی دیتا ہے۔ بہار اس کی مثال بن سکتا ہے، جہاں شراب کی خرید وفروخت اور استعمال پر قانونی روک لگی ہوئی ہے۔ یہاں بھی غیر قانونی طور پر اور چوری چھپے منشیات کا کاروبار ہوتا ہے اور نشہ آور چیزوں اور ادویات کا استعمال بھی، لیکن قانون ایسے عمل کو جرم گردانتا ہے۔ کاش یہ سسٹم پورے ملک میں رائج کر دیا جاتا تو کچھ حد تک سہی منشیات پر روک ضرور لگتی، لیکن افسوس ایسا ہو نہیں رہا ہے، حکومتیں شراب کے کاروباریوں کو اجازت نامے دیتی ہیں، انہیں ان چیزوں کی فروخت کا قانونی جواز حاصل ہوتا ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ ایسے میں سماج کو ان برائیوں سے کیسے پاک کیا جا سکے گا؟۔

ہندستان کے کئی شہروں میں نشے کے خلاف کافی شدت سے آواز بھی جاری ہے، پولس محکمہ بھی منشیات کے خلاف آواز اٹھانے والوں کی منشیات مخالف مہم میں شامل ہے۔ سیاست داں بھی پریس کانفرنسوں میں بار بار اس بات کا اعادہ کرتے ہیں کہ نشہ خوروں پر لگام کسی جائے، منشیات کا خاتمہ ہونا چاہیے، علمائے کرام اس مہم میں پیش پیش ہیں، نشہ مخالف پروگرام بھی منعقد ہو رہے ہیں، کئی مقامات پر پولیس نے ان نشہ خوروں کے خلاف سخت ایکشن بھی لیا، یہ معاملات میڈیا کی نگاہ میں بھی آئے۔ علمائے کرام کا یہ خوش آئند اقدام قابل ستائش ہے جس کی حمایت کی جانی چاہیے۔ اس سلسلے میں ہر ایک کو اپنی اپنی بساط بھر کوشش کرنی چاہیے۔ محکمہ پولس کا منشیات مخالف دستہ بھی اس میں اہم رول ادا کر رہا ہے۔ ذرا غور کریں، منشیات کا ہمارے سماج میں ہوش ربا اضافہ کس قدر خوف ناک اور گھناونی صورت حال پیدا کر رہا ہے، صرف شراب کی بنیاد پر کیسی کیسی برائیاں ہمارے معاشرے میں جنم لے رہی ہیں، نشے کی یہ لت ہمارے خانگی حالات پر کس طرح براہ راست اثر انداز ہوتی ہے، جس طرح مرد وزن کا آزادانہ اختلاط، کالجوں یونیورسٹیوں کی مخلوط تعلیم، کمپنیوں، آفسوں میں لڑکے لڑکیوں کی ایک ساتھ مشقوں اور ہنسی مذاق سے چھیڑ خانی عصمت ریزی، آبرو باختگی کو بڑھاوا مل رہا ہے، اخلاقی رشتوں میں کمزوری آ رہی ہے، اسی طرح شراب نوشی نے بھی مجموعی طور پر گھریلو زندگی میں اضطراب جیسی صورت حال پیدا کر دی ہے، انسان کی خانگی زندگی بھی اس سے پوری طرح متاثر ہے، بیوی پر تشدد، بچوں کی بیجا سرزنش، پڑوسیوں سے گالی گلوج، طلاق کی شرحوں میں اضافہ، قتل وغارت گری، نابالغ بچوں، بچیوں پر دست درازی، والدین پر طعن وتشنیع، پاکیزہ رشتوں کی پامالی، خانگی مسائل سے عدم توجہی، معاشی حالات کی ابتری جیسے ناگفتہ بہ احوال اور قابل افسوس وطیرۂ زندگی کی ایک بڑی وجہ شراب نوشی کی لعنت بھی ہے، خود فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی واضح ہوتا ہے کہ شراب اُم الخبائث ہے۔ شراب تمام بے حیائیوں کی ماں ہے، اس سے برائیاں جنم لیتی ہیں، انارکی پھیلتی ہے اور بد اخلاقی میں اضافہ ہوتا ہے۔

بعض مغربیت زدہ افراد یہ بہانہ پیش کرتے ہیں کہ یہ نشہ آور ادویات اور منشیات کے لوازمات انسانی غموں اور ڈپریشن سے نجات کا ذریعہ ہیں، چند لمحے سہی ایک غم زدہ اور آلام روزگار کا مارا انسان اپنا سارا غم بھول جاتا ہے۔ یہ بہانہ اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے جیسا ہے یا ایسا ہی

ہے جیسے کپڑے پر لگی نجاست وگندگی کو پیشاب سے صاف کرنا۔ محض خام خیالی ہے اور کچھ بھی نہیں۔ یہ بھی کوئی علاج ہے؟ یہ بھی کوئی دانش وری ہے؟؟ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اگر نشے کا چسکا اس کو لگ گیا تو نا ختم ہونے والے غم اور انسانیت سوز زندگی سے اسے کون بچا سکتا ہے؟؟

ایسے مناظر فلموں اور ٹی وی سیریلوں میں بھی دکھائے جاتے ہیں کہ نشہ بالخصوص شراب نوشی غموں کا علاج ہے۔ ناول وافسانہ بھی ان منفی رویوں سے خالی نہیں۔ معروف افسانہ نگار محمد بشیر مالیر کوٹلوی بنگالی ناول اور فلم ”دیوداس“ کے منفی کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے قم طراز ہیں:

”اس طرح کا کردار دیوداس تھا جو اس زمرے میں آتا ہے۔ اس بنگالی ناول پر تین بار فلم بن چکی ہے، حالاں کہ اس فلم کا، اس کہانی کا پیغام انتہائی منفی ہے۔ ایک نوجوان کا محبت میں ناکام ہوکر شراب میں ڈوب جانا اور مر جانا۔ادب کے تاجر، فن بیچنے اور خریدنے والے کہاں اس بات پر غور کرتے ہیں کہ اس فلم کے تھیم کا نوجوان طبقے پر منفی اثر پڑے گا یا مثبت“۔["افسانے میں کردار نگاری کی اہمیت، ماہ نامہ اردو دنیا، اگست 2014ء، ص:45]

گویا منشیات کے فروغ میں یہ فلمستان بھی کسی سے پیچھے نہیں ہے، ڈرگس مافیاؤں کی تو ہر وقت چاند ہی چاندی ہے، وہ کسی نہ کسی جہت سے منشیات میں ملوث ہر تین طبقے کے افراد سے رابطہ بنائے رہتے ہیں اور قانون کی طرف سے مطمئن ہوکر یہ گورکھ دھندا بڑی ہوشیاری سے آگے بڑھا رہے ہیں۔ میری سمجھ سے سماج میں ہر طرح کی برائیوں، بے حیائیوں ظلم و تشدد حق تلفی اور زیادتی و دھوکا دہی میں یہ فلمیں اور شراب بنیادی کردار ادا کرتی ہیں، حالات کا تجزیہ یہی باور کراتا ہے، یقین نہ آئے تو ہندی دینک جاگرن انٹرنیٹ ایڈیشن یکم ستمبر 2014ء بروز دوشنبہ میں موجود یہ خبر دل تھام کر پڑھیں!

اخبار لکھتا ہے: ”جارجیا کے ا ِفنگم کاؤنٹی میں کچھ ایسا ہی دیکھنے کو ملا، جہاں لو اسٹوری پر مبنی فلم ”دی نوٹ بک“ دیکھنے کے بعد ایک سگے بھائی بہن پر ایسا اثر ہوا کہ ان کے بیچ وہ سب کچھ ہو گیا جس کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ ویب سائٹ میٹرو کے مطابق جارجیا کے رہنے والے 25/ سالہ ٹیموتھی سیوائے اور 20 سالہ بکتر سگے بھائی بہن ہیں۔ جن کی اصلیت کا پہلے تو کسی کو پتا نہیں تھا، لیکن ایک دن پولس نے انھیں ایک چرچ کے باہر جنسی تعلق بناتے ہوئے دیکھ لیا۔ بس پھر کیا تھا پولس ان دونوں کو گرفتار کر کے پولس اسٹیشن لے گئی۔ وہاں جاتے ہی دونوں سے پوچھ تاچھ ہوئی۔ پہلے تو دونوں نے اصلیت بتانے سے انکار کر دیا۔ لیکن بعد میں اس بات کو مان لیا کہ وہ سگے بھائی بہن ہیں اور ایسا انہوں نے ایک فلم دیکھ کر کیا۔ ان دونوں نے مانا کہ یہ فلم دیکھنے کا ان پر اتنا برا اثر ہوا کہ دونوں کے بیچ جنسی جسمانی تعلق بن گیا اور وہ بھی ایک بار نہیں تین بار، فی الحال دونوں حراست میں ہیں۔“

یہ ایک مثال ہے ایسے نہ جانے کتنے واقعات رونما ہوتے ہوں گے اور انسانیت شرم سار ہوتی ہوگی۔ چند سال پیش تر اسکولوں میں جنسی تعلیم کے لازمی حکم سے نابالغ سگے بھائی بہنوں میں عملی طور پر جسمانی تعلقات کی خبریں آئی تھیں، نسل نو میں منشیات کا استعمال جس تیزی سے بڑھ رہا ہے وہ یقینا ہم سب کے لیے لمحۂ فکریہ سے کم نہیں، محکمۂ پولیس کی اب تک کی ساری کاروائیاں منشیات کے عادی افراد کے خلاف ہوئی ہیں اور وہ بھی غیر منظم انداز میں، نہ کوئی ٹھوس حکمت عملی اور نہ مناسب اقدام۔ منشیات فروشوں اور عام نشیلی ادویات فراہم کرنے والوں پر نکیل کسنے میں پولس محکمہ بری طرح ناکام ہے یا جان بوجھ کر آنکھیں بند کیے ہوئے ہے۔ شہر کے مختلف علاقوں پر منشیات فروشوں کا قبضہ ہے، ڈرگس ڈیلروں کا گروپ ہے جو انتہائی منظم طرز پر اپنا کاروبار جاری رکھے ہوئے ہے۔ اس سلسلے میں محکمہ پولس کے منشیات مخالف دستے کو بھی چوکنا ہونے کی ضرورت ہے اور عوامی بیداری لانے کے لیے مہم چلانا بھی ضروری ہے۔ رہی بات مذہب اسلام کی وہ اس میدان میں بھی میں رہنما خطوط فراہم کرتا ہے، حدیث مبارک: ”کل مسکر حرام“ [ہر نشہ آور چیز حرام ہے] سے مذکورہ نکتے پر خاص روشنی پڑتی ہے فقہی مسئلہ ”طلاق السکر ان واقع“ [نشے میں دھت کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے تو واقع ہو جائے گی-] بھی چشم کشا ثابت ہوسکتا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر منشیات مخالف تحریک میں شامل ہوں اور نشہ خوری کے جراثیم سے اپنے معاشرے کو پاک کریں۔ بطور خاص اپنے بچوں پر ہر وقت نگاہ رکھیں، کہیں وہ آوارہ مزاج لڑکوں سے یاری تو نہیں نبھا رہے ہیں، اگر ایسا ہو تو ان کی سخت تنبیہ کی جائے اور ان کے ماحول کی پاکیزگی کا بھرپور خیال رکھا جائے کہ یہ بچے قوم کا مستقبل ہیں۔

❁❁❁

جلسوں اور کانفرنسوں میں غیر شرعی امور کیوں؟

مولانا محمد سبحان رضا قادری مصباحی: المصطفیٰ اسلامک اکیڈمی، شعبہ عالمیت دعوت قرآن، خضر پور کولکاتا

تبلیغ دین، اشاعت اسلام، اعلاے کلمۃ اللہ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر اس امت کے اہم فرائض میں سے ہیں، بلکہ اس کے خیر امت ہونے کی اصل وجہ یہی ہے کہ یہ امت بھلائی کا حکم دیتی اور برائی سے روکتی ہے، تبلیغ دین کے ذرائع میں دینی جلسے اور کانفرنسز مؤثر ترین ذرائع ہیں، معاشرے کی اصلاح، نوجوانوں کی تربیت اور معاصیات کی روک تھام کے لیے میلاد، جلسے اور کانفرنس نے ماضی میں جو کردار اور کارنامے انجام دیے ہیں اس کی ایک روشن تاریخ ہے۔ دلوں میں خلوص، قلوب میں تقویٰ، روح میں بالیدگی پیدا کرنے میں ان جلسوں کا بہت بڑا حصہ رہا ہے، لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جب جلسے کرانے والے مخلص اور دین دار، بلائے جانے والے متقی اور پرہیز گار نیز دنیاوی حرص و ہوس سے پاک وصاف ہوا کرتے تھے۔ آج کا نظام بدل چکا ہے، حرص وطمع، نام ونمود، زر اندوزی اور دنیاوی منفعت نے ہمارے جلسوں اور کانفرنسوں کو بے اثر بنادیا ہے، اسی وجہ سے جلسے اور کانفرنس سے وہ فائدے نہیں حاصل ہورہے ہیں جو برسہا برس پہلے ہمیں حاصل ہوتے تھے۔ جن جلسوں کا مقصد شرعی حدود سے روشناس کرانا اور معصیت پر قدغن لگانا تھا آج انھیں جلسوں کے انعقاد میں نہ جانے کتنے غیر شرعی امور کا ارتکاب ہورہا ہے۔ زیر نظر تحریر میں چند انھیں غیر شرعی امور کی نشاندہی کی گئی ہے۔

ڈیکوریشن میں بے تحاشہ خرچ کرنا:

ہمارے سنی جلسے دن بہ دن مہنگے ہوتے جارہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ لائٹنگ، شائننگ اور سجاوٹ وغیرہ میں اس قدر بے تحاشہ خرچ کیے جارہے ہیں کہ ان پیسوں کی مدد سے کئی بڑے اہم اور دینی کام ہوسکتے ہیں۔ جلسے سادہ اور سمپل بھی ہوسکتے ہیں، مگر بد قسمتی سے شہرت، نام ونمود اور مقابلہ آرائی کی چاہت نے اس کو انتہائی مہنگا بنادیا ہے۔

پیشہ ور مقررین اور بھاری نذرانہ طے کرکے نعت پڑھنے والے شعرا کو جلسوں اور کانفرنسوں میں مدعو کرنا بھی اسی فضول خرچی کا ایک اہم حصہ ہے، ہمارا مطمح نظر قوم کی اصلاح اور مذہب کی تبلیغ نہیں بلکہ ہر سال جلسہ کرکے ایک رسم ادا کرنا ہے اور بس۔

کسی بزرگ نے کہا تھا کہ سنیو! اپنے جلسوں کو سستا اور مدارس کو مضبوط بناؤ۔ کاش ہم اس فرمان پر عمل کیے ہوتے تو ہمارے جلسوں اور مدرسوں کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا، ہمارے مدارس کی زبوں حالی ہماری اسی بے راہ روی کا نتیجہ ہے۔

چوری کی بجلی:

یہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ جس اسٹیج سے ہمارے علما وخطبا قرآن وحدیث کا حوالہ دے کر چور اور چوری کی مذمت بیان کرتے ہیں، اس کی سزائیں سناتے ہیں اسی اسٹیج پر چوری کی بجلی استعمال کی جارہی ہوتی ہے۔ جلسہ کی آرائش وزیبائش اور مقررین وشعرا کی دعوت پر ہم ایک خطیر رقم صرف کرڈالتے ہیں، مگر بجلی کا بل ادا کرنے کے لیے تھوڑی رقم بھی میسر نہیں ہوتی۔ یہ انتہائی افسوس ناک پہلو ہے۔

جبراً چندہ وصولی:

جلسہ منعقد کرنا ایک کار خیر اور امر مستحب ہے، فرض یا واجب نہیں، بالفرض فرض یا واجب ہی ہوتا تو بھی اس کے لیے کسی سے جبراً

چندہ وصول کرنا جائز نہیں ہوتا چہ، جاے کہ ظلم وستم روا ہو۔ ہمارے یہاں مقابلہ کی دوڑ میں آگے بڑھنے کے لیے لوگوں سے جبراً چندہ وصول کیا جاتا ہے ،اکثر سیدھے سادھے لوگ چندہ دینے میں ہی عافیت سمجھتے ہیں اور جو لوگ ٹال مٹول کرتے ہیں ان کی خیر نہیں، جلی کٹی سنانے کے ساتھ انھیں رسوا بھی کیا جاتا ہے۔ اب تک سنتے تھے کہ ہندوؤں کے یہاں کالی پوجا اور درگا پوجا کے لیے جبراً چندہ وصول کیا جاتا ہے اور اس کے لیے وہ بدنام بھی ہیں اور کئی دفعہ ان کے خلاف قانونی کاروائی بھی کی جا چکی ہے۔ اب اگر ہمارے جلسوں اور کانفرنسوں میں بھی جبری چندہ کی روایت قائم ہو گئی تو پھر ہم میں اور ان میں کیا فرق رہے گا؟۔ سیرت نبوی میں ایک بھی ایسا واقعہ نہیں ملتا جس میں حضور ﷺ نے کسی صحابی سے جبری چندہ وصول کیا ہو، صحابہ خوشی بخوشی اپنے اموال حضور کی بارگاہ میں پیش کرتے اور آپ قبول فرما کر انھیں دعاؤں سے نوازتے ،آنکھیں کھولنے کے لیے غزوۂ تبوک وغیرہ کی مثالیں ہمارے لیے کافی ہیں۔

شاہ راہ عام کو بند کر دینا:

جلسوں اور کانفرنسوں کے لیے کوئی وسیع ہال یا کشادہ میدان کا انتخاب کیا جانا چاہیے تاکہ بوڑھوں، مریضوں، متعلموں اور دیگر مصروف لوگوں کو کسی قسم کی کوئی دقت یا دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ یہودی ،عیسائی اور وہابیوں کے اجتماعات کی کامیابی کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنی محفلوں کو کسی ساؤنڈ پروف ہال یا محفوظ جگہ پر منعقد کرتے ہیں۔ اس کے برخلاف ہمارے یہاں جلسے اور کانفرنس شاہراہ عام پر منعقد کیے جاتے ہیں، ہم اسے بھی اپنے جلسے کا سامعین بنانا چاہتے جو دراصل بننا نہیں چاہتے، بلکہ کتنے مریض کی جان پر بن آتی ہے اور بہتیرے طلبہ وطالبات اس صوتی ہنگامہ آرائی سے کراہتے رہتے ہیں اور یہی چیزیں بعد میں علما و خطبا سے نفرت اور دوری کا باعث بنتی ہیں، یہ دین کی تبلیغ ہوئی یا دین سے برگشتہ کرنے کا سامان؟ یہ پیغام محبت تھا یا نفرت کا پیغام؟ ہمارے جلسوں کی انھی بے راہ رویوں کی وجہ سے سنجیدہ اور پڑھے لکھے لوگوں کا ایک بڑا طبقہ جلسوں میں آنا بند کر دیا ہے اور اس کے ذمے دار صرف اور صرف ہم ہیں۔

دیر رات تک جلسے کرنا:

کسی بھی کام میں کام یابی کے لیے وقت کی صحیح تعیین کلیدی حیثیت رکھتی ہے، وقت کی تعیین یا تشخیص کے بغیر منزل تک رسائی انتہائی مشکل ہوتی ہے۔ جلسہ یا کانفرنس ایک اہم اور مہتم بالشان کام ہے، لہذا اس کے لیے بھی لائحہ عمل کی تیاری ،پیشگی منصوبہ بندی اور بالخصوص وقت کی تعیین و تحدید از حد ضروری ہے، مثال کے طور پر جلسے کا آغاز کتنے بجے ہوگا؟ اس کے اختتام کا وقت کیا ہے؟ خطبا اور شعرا کی ترتیب کیا رہے گی؟ آج کے جلسوں کا عموماً حال یہ ہے کہ دیر سے شروع ہو کر آخر رات تک چلتے رہتے ہیں ،بعض سحری تک چلتے ہیں اور بعض فجر تک ،نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مہمان خطیب کی جب باری آتی ہے اس وقت تک آدھے سامعین یا اس سے زیادہ تھک ہار کر گھر چلے جاتے ہیں، باقی جو بچتے ہیں وہ بند آنکھوں اور کھلے منھ کے ساتھ مہمان خطیب کو سماعت کرتے ہیں۔ حالاں کہ اہل علم پر یہ مخفی نہیں ہے کہ دیر سے شروع کرنے اور ختم کرنے کے کیا نقصانات ہیں؟ اور جلد شروع کر کے جلد ختم کر دینے کے فوائد کیا ہیں؟ مگر اس کے باوجود آج تک نہ اس پر توجہ دی گئی اور نہ عمل میں لایا گیا۔ الا ماشاءاللہ۔

عوام اہل سنت کی بارگاہ میں چند معروضات:

[1] جلسہ یا کانفرنس یا کوئی بھی دینی کام کرنے سے پہلے اپنے علاقے کے معتمد عالم دین یا ذمہ دار امام سے گفت وشنید ضرور کر لیں، اس لیے کہ مشورہ کے بعد شرمندگی اور پچھتاوا بالکل نہیں ہوتا۔

[2] پیشہ ور مقررین، نذرانہ طے کرنے والے شعرا اور لطیفہ سنانے والے نقیبوں کو ہرگز مدعو نہ کریں کہ جو خود شریعت طاہرہ کا پابند نہیں وہ بھلا دوسروں کو کیا پابند بنائے گا؟

[3] مدعو مقررین سے منتخب عناوین کے تحت تقاریر کرائیں کہ خواہی نخواہی لوگ گرویدہ ہوں، وقت اور جگہ کا خاص خیال رکھیں تاکہ پڑھے لکھے اور سنجیدہ طبقہ بھی شرکت کر سکے۔

❁❁❁

استاذ العلما مولانا عبد الرحیم اشرفی نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مولانا محمد غضنفر زیلعی مصباحی: استاذ جامعہ قادریہ مدینۃ العلوم، بنگلور

نام ونسب: محمد عبد الرحیم بن حاجی محمد حشمت علی بن محمد سفر علی۔

القاب: استاذ العلما، بڑے مولانا۔

ولادت: آپ ضلع اتر دیناج پور، صوبہ بنگال کے ایک مشہور قصبہ "رام گنج" سے دو کیلو میٹر دور واقع ایک زرخیز گاؤں "جاگیر سانپ نکلا" میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تاریخ پیدائش حتمی طور پر معلوم نہ ہو سکی، البتہ بعض کاغذات سے جو معلوم ہوا وہ کچھ اس طرح ہے۔ 1925ء یا 1930ء۔

شرف بیعت: شیخ المشائخ سرکار کلاں سید شاہ محمد مختار اشرف اشرفی جیلانی [علیہ الرحمہ] کے مقدس ہاتھوں آپ کو شرف بیعت حاصل ہے۔

خاندانی پس منظر: آپ کی پرورش اور نشو نما ایک دین دار گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد محترم ایک نیک سیرت اور علم دوست آدمی تھے۔ علم اور علما سے بے پناہ محبت اور لگاؤ رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ بھی ایک نیک دامن، پاک خصلت اور صوم صلاۃ کی پابند خاتون تھیں۔ آپ کے والد کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ آپ کے سر علم کا سہرہ سجے۔ رب قدیر نے ان کی یہ خواہش پوری کی اور علاقہ کے اجلۂ علماکرام کی فہرست میں آپ کے نام کو شامل فرمایا۔

تعلیمی زندگی: آپ کا علاقہ زرخیز اور سرسبز و شاداب ضرور تھا مگر تعلیمی اعتبار سے خستہ حالی اور پسماندگی کا شکار تھا، یہاں پڑھنے اور پڑھانے والوں کی تعداد انگلیوں کے پوروں میں گنی جا سکتی تھی۔ حضور استاذ العلما نے اسی علاقے سے بغدادی قاعدہ سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا۔ یہاں آپ کے اساتذہ کی فہرست میں ایسے لوگ شامل تھے۔ جو دور دراز سے مزدوری کے لیے آتے تھے، یہ لوگ دن بھر مزدوری کرتے اور رات کو کچھ وقت گاؤں کے بچوں کو پڑھاتے تھے۔ پھر جب علم دین سے آپ کی انسیت بڑھی اور سینے میں شوق علم موج زن ہوا، تو آپ نے حصول علم کے لیے دور دراز علاقوں کا سفر کیا اور مختلف علمی سرچشموں سے سیرابی حاصل کی۔ یہاں قدرے تفصیل کے ساتھ آپ کے تعلیمی سفر پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

❶ **کلامک بنگلہ دیش:** ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے یہاں کا رخ کیا۔ یہاں آپ نے کس مدرسے میں تعلیم حاصل کی، آپ کے اساتذہ کون کون تھے اور مدت تعلیم کیا تھی۔ یہ باتیں معلوم نہ ہو سکیں۔

❷ **دار العلوم اسلامیہ عارفیہ مشیر گنج چنامنا:** ان دنوں یہ دار العلوم، شہر اسلام پور سے متصل، ایک گاؤں چنامنا میں واقع ایک گمنام مکتب نما مدرسہ تھا۔ جب قافلۂ علم کے سالار اعظم، آسمان علم و فضل کے درخشاں ستارہ، قطب بہار و بنگال حضور استاذ العلما حضرت علامہ نصیر الدین نعیمی اشرفی علیہ الرحمہ نے یہاں پڑاؤ ڈالا، تو ملک کے مختلف خطوں سے علم نبوی کے پروانوں کا یہاں ہجوم لگ گیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ مکتب نما مدرسہ علم وادب کا گہوارہ بن گیا۔ بنگلہ دیش سے واپسی کے بعد آپ نے اس مدرسہ کا قصد کیا۔ اور حضرت کے زمرۂ تلامذہ میں شامل ہو کر 3/ سال تک پوری محنت، لگن اور دل چسپی کے ساتھ اکتساب فیض کیا۔ آپ کی محنت و لگن، تحقیق و جستجو، بحث و تکرار، مطالعہ سے دل چسپی اور تضیع اوقات سے اجتناب جیسی اوصاف دیکھ کر حضرت نے آپ پر خصوصی توجہ فرمائی۔ اور آپ حضرت کے محبوب نظر

شاگرد بن گئے۔

③مدرسہ شمس الھدیٰ پٹنہ : خلیفۂ اعلیٰ حضرت ملک العلما، محدث بہار، حضرت علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے ایک لمبی مدت تک، یہاں بساط درس بچھائے رکھا، اور متلاشیان علم و دب کو علم وادب سے سرفراز کیا۔ آپ کی طرز تعلیم و تعلم کا شہرہ سن کر، دور دراز علاقوں سے طالبان علوم نبویہ کا ایک سیلاب یہاں امنڈ پڑا۔ حضور استاذ العلما کے سینے میں بھی یہ خواہش انگڑائی لی کہ حضرت کے تلامذہ کی فہرست میں جگہ ملے۔ اسی جذبہ کے ساتھ آپ پٹنہ تشریف لائے۔ یہاں آپ کو مایوسی ہاتھ لگی کہ اسی سال ملک العلما مدرسہ شمس الھدیٰ چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے تھے۔ یہاں آپ نے داخلہ لیا اور تقریباً تین مہینے تعلیم حاصل کی۔

④مظہر اسلام بریلی: مدرسہ شمس الھدیٰ پٹنہ میں آپ کو مایوسی ہاتھ لگی تو آپ نے بریلی کا قصد کیا جہاں وقت کے جید علما اور فقہا درس وتدریس میں مشغول تھے۔ یہاں آپ نے شہزادہ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کے ادارہ مظہر اسلام بی بی جی مسجد میں داخلہ لیا اور پوری طرح حصول علم میں منہمک ہو گئے۔ درمیان سال بریلی شریف میں ہندو مسلم فساد ہونے کی وجہ سے مدرسہ میں چھٹی کردی گئی اور آپ یہاں سے گھر چلے آئے۔

بریلی شریف سے واپسی کے بعد پھر آپ حضور استاذ العلما قطب بہار و بنگال علامہ نصیر الدین علیہ الرحمہ کی درس گاہ میں شامل ہوئے اور کچھ مدت تک تعلیم حاصل کی۔

⑤مظہر اسلام بی بی جی مسجد بریلی شریف میں دوسری بار:

پھر آپ نے دوسری بار بریلی شریف کا قصد کیا اور مظہر اسلام بی بی جی مسجد میں داخلہ لے کر آسمان علم و فضل کے چمکتے ستاروں سے خوب خوب علمی استفاد کیا، اور پورے انہماک کے ساتھ نائب دورہ تک تعلیم حاصل کی۔

⑥ جامعہ نعیمیہ مرادآباد: بریلی شریف سے آپ اپنے رفیق درس علامہ ہاشم صاحب کے ساتھ مرادآباد تشریف لے آئے، اور مذہب و سیاست میں یک سا مشہور و مقبول علامہ سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمہ کے قائم کردہ ادارہ جامعہ نعیمیہ میں داخلہ لیا۔ یہاں آپ نے فضیلت مکمل کی۔ 1960ء میں علما و فضلا کے مقدس ہاتھوں آپ کے سر فضیلت کا سہرا سجا۔

مشہور اساتذہ: آپ نے وقت کے مشہور اور نابغۂ روزگار ہستیوں سے اکتساب فیض کیا، ان میں سے کچھ کے نام اس طرح ہیں:

قطب بنگال و بہار حضور استاذ العلما حضرت علامہ نصیر الدین نعیمی اشرفی، حضرت علامہ ثناء اللہ محدث مئو، شیخ المعقولات حضرت مولانا معین الدین خان اعظمی، شیخ الادب مولانا غلام جیلانی اعظمی، شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی۔ [علیہم الرحمہ]

حج وزیارت: آپ کے والد محترم کی یہ خواہش تھی کہ فریضہ حج کی ادائیگی اور مقامات مقدسہ کی زیارت سے شرف یابی آپ کی ہمراہی میں ہو، چناں چہ فراغت کے فوراً بعد آپ جامعہ نعیمیہ ہی سے اپنے والد محترم کے ساتھ حج و زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔

والد محترم کا انتقال: اس مبارک و مسعود سفر میں پا بار کاب ہونے سے پہلے آپ کے والد محترم نے یہ دعا کی کہ اے اللہ ترے پاک شہر اور حالت حج میں مجھ سے موت گلے لگائے۔ قرب و جوار کے لوگوں سے بھی یہ درخواست کی کہ میرے لیے یہ دعا کریں۔ اللہ تعالی نے آپ کی اس دعا کو شرف اجابت بخشا، اور دوران حج میدان منیٰ میں آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

عقد مناکحت، اور اولاد واحفاد: آپ کی دو حرم تھیں۔ پہلی سے دو بیٹے۔ مولانا علی اکبر نوری و مولانا علی اصغر اشرفی اور پانچ بیٹیاں ہیں اور دوسری سے، دو بیٹیاں ہیں۔

خدمات: دین حق کی تبلیغ و اشاعت کے لیے آپ نے اپنے علاقے کو منتخب کیا جو کہ اسلامی تہذیب وثقافت کے اعتبار سے ویران اور بنجر تھا۔ آپ نے تقریباً 6/دہائیوں تک، اس بنجر زمیں میں، درس وتدریس، تقریر وخطابت اور مساجد ومدارس کی سرپرستی ونگرانی کے ذریعہ شجر اسلام کی آبیاری کی۔ آپ کی محنت اور کدو کاوش کی وجہ سے، آج یہ علاقہ اسلامی تہذیب وثقافت کا لہلہاتا ہوا چمن ہے۔ ذیل میں قدرے تفصیل سے آپ کی خدمات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

درس وتدریس: آپ ایک بہترین مدرس اور ایک باکمال معلم

تھے۔ ایک اچھے مدرس کے اندر جتنی خوبیوں کی ضرورت ہے وہ آپ میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ آپ نے تقریبا6/ دہائیوں تک علاقے ہی کے مختلف مدارس میں، نہایت خوبی وکامیابی کے ساتھ تدریسی فریضہ انجام دیا۔ اور لاکھوں تشنگان علوم نبویہ کو سیراب کیا۔ آپ کا علاقہ جو کہ دینی علوم کے اعتبار سے نہایت ہی خستہ حالی کا شکار تھا، آج علم کا ایک لہلہاتا ہوا سرسبز شاداب چمن بن گیا ہے۔ اس میں آپ کی محنت وکوشش کا بڑا دخل ہے۔ آپ نے جن مدارس کے مسند تدریس کو زینت بخشی، اور جہاں ایک مدت تک تشنگان علوم نبویہ سیراب کیا، ان کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

❶ **دارالعلوم فیض الغربا دہرا:** آپ نے فراغت بعد سب سے پہلے دارالعلوم فیض الغربا میں بساط درس بچھایا اور تین سال تک کامیاب تدریسی فریضہ انجام دیا۔ آپ کی تشریف آوری سے قبل یہاں ایک غیر مقلد عالم رہتا تھا، جو یہاں کے سیدھے سادھے اور بھولے بھالے عوام کو مکر وفریب سے گمراہ کر رہا تھا۔ اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنا حمایتی بھی بنالیا تھا۔ آپ نے اس سے مختلف موضوعات پر بحث و مباحثہ کر کے لوگوں پر اس کے مکروفریب کو واضح کیا۔ اور یہاں کے لوگوں اور مدرسے کو وہابی کے چنگل سے چھڑا کر اہل سنت کے نام کر دیا۔

❷ **مدرسہ اکرامیہ اشرف العلوم جاگیر سانپ نکلا:** آج یہ مدرسہ اس نام سے مشہور و معرف ہے۔ پہلے کئی گاؤں کا ایک مکتب نما مدرسہ تھا۔ جو صرف "مدرسہ" سے جانا پہچانا جاتا تھا۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد اس نے دار العلوم کی شکل اختیار کر لی۔ 13/ سال تک آپ نے یہاں تدریسی خدمات انجام دی اور علما اور فضلا کی ایک لمبی فہرست کو بادۂ علم پلایا۔

❸ **مدرسہ محمدیہ سنگرھ گچھ:** بنجر زمین میں آباد یہ ایک غیر معروف ادارہ تھا۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد یہاں طالبان علوم نبویہ کا میلہ لگ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس ادارہ نے بھی خاصی شہرت اور مقبولیت حاصل کر لی اور یہ بنجر زمیں طلبہ کی آمد ورفت سے سرسبز وشاداب بن گئی، آپ نے یہاں 10/ سال تک کامیاب تدریسی خدمات انجام دیں۔

❹ **دارالعلوم اسلامیہ عارفیہ مشیر گنج چپنامنا:** اپنے استاذ مکرم علامہ نصیر الدین اشرفی نعیمی علیہ الرحمہ کے حکم پر آپ یہاں تشریف لائے۔ آپ کے آتے ہی حضرت نے مدرسے کی پوری ذمہ داری آپ کو سپرد کر دی۔ آپ نے حضرت کی سرپرستی میں بہترین نظم ونسق کے ساتھ 3/ سال تک تمام فرائض بحسن وخوبی انجام دیے۔

❺ **مدرسہ نور الھدیٰ نملا گاؤں:** یہ مدرسہ بہار بورڈ سے منسلک ہے۔ یہاں آپ کا انتخاب ایک سرکاری استاذ کی حیثیت سے ہوا۔ اپنے استاذ مکرم کی اجازت سے آپ چپنامنا سے یہاں تشریف لائے، اور ایک کامیاب استاذ کے طور پر 22/ سال تک علم وعرفان کے جوہر لٹائے، آپ کا انتخاب یہاں 1987 میں ہوا۔ 2010ء میں سرکاری عہدے ریٹائرڈ ہو گئے۔

❻ **مدرسہ اکرامیہ اشرف العلوم جاگیر سانپ نکلا:** اب ضعف و نقاہت نے دستک دے دی تھی، طبیعت کا تقاضا تھا کہ آرام کیا جائے، مگر دل تھا کہ ابھی تعلیم وتعلم سے سیراب نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ اراکین مدرسہ اکرامیہ کی التماس پر پھر ایک بار آپ نے یہاں کے مسند تدریس کو زینت بخشا اور 2/ ماہ تک تدریسی خدمت انجام دی۔

❼ **مدرسہ اکرامیہ اسلامیہ مرشد غازی:** مدرسہ اکرامیہ اشرف العلوم جاگیر سانپ نکلا کے مدرس ہوئے ابھی کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ اراکین مدرسہ اکرامیہ اسلامیہ مرشد غازی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارا مدرسہ علاقے کا ایک بڑا مدرسہ ہے۔ ایک زمانے تک بہترین نظم ونسق کے ساتھ چل رہا تھا۔ اب کسی سبب سے یہ مدرسہ تباہی کی دہانے پر ہے، حضور والا آپ کی وہاں سخت ضرورت ہے، آپ چلیں ورنہ مدرسہ برباد ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میرے وہاں جانے سے مدرسہ تباہی کے دہانے سے بچ کر آباد ہو جائے گا تو میں اپنی ضعف ونقاہت کے باوجود وہاں ضرور جاؤں گا۔ اس سلسلے میں آپ نے مدرسہ اکرامیہ کے ذمہ

دران سے بات کی۔ ہر فرد نے آپ کو خوشی بخوشی رخصت کیا، یہاں آپ نے ایک سال تک بساط درس بچھائے رکھا۔

(٨) **مدرسہ اکرامیہ اشرف العلوم:** اب آپ عمر کے آخری پڑاؤ میں تھے کافی ضعیف و نحیف بھی ہو گئے تھے اور مسلسل بیمار بھی رہنے لگے تھے۔ اسی وجہ سے آپ نے مدرسہ اکرامیہ اسلامیہ مرشد غازی کو خیر آباد کہہ کر مدرسہ اکرامیہ اشرف العلوم کے مدرس ہوئے اور اخیر عمر تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

اس خطے میں آپ کی تدریسی خدمات تقریباً 6/ دہائیوں کو محیط ہیں۔

مشہور تلامذہ: آپ کے دربار گوہربار سے فیض یافتہ علما و فضلا کی ایک لمبی فہرست ہے جو اپنی جگہ آفتاب و مہتاب بن کر چمک رہے ہیں۔ اور اطراف ہند میں پھیل کر، امامت و قیادت، دعوت و تبلیغ، درس و افتا، تصنیف و تالیف کی زریں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ کے نام یہاں رقم کیے جاتے ہیں:

(١) شہزادہ حضور استاذ العلما مولانا علی اکبر نوری (٢) خلیفۂ حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی بشیر الدین رضوی (٣) خلیفۂ حضور تاج الشریعہ علامہ مفتی رفیق الاسلام (٤) خطیب بنگال حضرت مولانا کلیم الدین اشرفی (٥) خلیفہ حضور تاج الاولیا حضرت مولانا معین الدین اشرفی (٦) حضرت علامہ مولانا مفتی رضا الحق اشرفی علیہ الرحمہ (٧) مولانا مظفر حسین علیہ الرحمہ (٨) شہزادۂ استاذ العلما مولانا علی اصغر اشرف (٩) مولانا مجیب الرحمن (١٠) مولانا جمال الدین (١١) مولانا رئیس الدین (١٢) مولانا سیف الاسلام (١٣) مولانا حسیب الرحمن (١٤) مولانا نور الدین (١٥) مولانا نذر الاسلام (١٦) مولانا حصیر الدین (١٧) مولانا فہیم الدین۔

تقریری خدمات: حضور استاذ العلما علیہ الرحمہ اپنی گوناگوں خصوصیات کے ساتھ ایک سنجیدہ اور باوقار خطیب بھی تھے۔ آپ کی زبان میں رب قدیر نے وہ تاثیر ودیعت کی تھی کہ سامعین پر کیف و وجد کا عالم طاری ہو جاتا۔ آپ کی تقریر قرآن و حدیث کی روشنی میں ہوا کرتی۔ اس میں اصلاح عوام کا عنصر زیادہ موجود ہوتا۔ آپ کے علاقے میں مبلغین اسلام اور دُعاۃ کی آمد و رفت کی کمی کے باعث یہاں کے مسلمان اسلامی تہذیب و ثقافت سے کافی دور تھے بلکہ کچھ ایسے رسم و رواج میں گرفتار تھے جن کو اسلام سے دور کا بھی رشتہ نہیں، جیسے کالی دیوی کا بھینٹ، ست پیر کا گانا وغیرہ، آپ اپنی تقریروں میں ان رسوم کی قباحت و شناعت کو واضح کرتے اور اسلامی تہذیب و ثقافت سے روشناس کراتے۔ ایک لمبی مدت تک اس میدان میں بھی آپ نے شجر اسلام کی آبیاری کی۔ آپ کی تقاریر سے بے شمار گم گشتہ افراد کو راہ ہدایت نصیب ہوئی۔

مدارس اسلامیہ اور مساجد کی سرپرستی و نگرانی: مدارس اور مساجد اشاعت دین کے ایک اہم مرکز اور قلعے سمجھے جاتے ہیں۔ یہ دین اسلام کے سچے ترجمان اور پاسبان ہیں۔ ان کی سرپرستی و نگرانی بھی ایک عظیم ذمہ داری ہوتی ہے۔ علاقے کے بیش تر مساجد و مدارس آپ کی سرپرستی و نگرانی میں تھیں۔ اس عظیم ذمہ داری کو بھی آپ نے بحسن و خوبی نبھایا اور ہر طرح سے ان کا تعاون بھی کیا۔

خطابت و امامت: آپ تا حیات رام گنج جامع مسجد کے خطیب و پیش امام کے عہدے پر فائز رہے۔

وفات: علم کا یہ چمکتا سورج کچھ دن بیمار رہنے کے بعد 6/ فروری 2017ء کو غروب ہو گیا۔

نماز جنازہ: بر صغیر کی معروف و مشہور خانقاہ کچھوچھہ شریف کے ایک گل سر سبد علامہ سید فیضان اشرف اشرفی جیلانی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھایا۔ جنازہ میں عوام کے ساتھ ساتھ علما کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔

تدفین: 6/فروری 2017ء کو آبائی قبرستان میں آپ کی تجہیز و تکفین عمل میں آئی۔

ہر سال 6/ فروری کو حضور تاج الاولیا حضرت علامہ سید محمد جلال الدین اشرف اشرفی جیلانی دام ظلہ کی سرپرستی میں آپ کا عرس مبارک منایا جاتا ہے۔

۞۞۞

ملک العلما: سیمانچل میں

مفتی محمد شہروز کٹیہاری: موہنا، چوکی، کدوا کٹیہار، بہار

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ کے درجن بھر سے زائد تلامذہ وخلفا اپنے وقت کے نابغۂ روزگار تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے مشن عشق ومحبت کو فروغ دینے، ان کے علوم کو عام کرنے، ان کی نظریات کی تبلیغ میں ان خلفا و تلامذہ کا زبر دست رول رہا ہے۔ ان خلفا و تلامذہ میں ملک العلما، فاضل بہار، حضرت علامہ سید شاہ ظفرالدین بہاری قدس سرہ متعدّد امتیازات سے ممتاز تھے۔ کثیر فنون پر سب سے زیادہ تصانیف کے مالک ہیں۔ رضویات کے موسس اول ہیں۔ امام احمد رضا قدس سرہ کے معتمد خاص تھے۔ اعلیٰ حضرت کے سب سے زیادہ خطوط ملک العلما ہی کے نام ملتے ہیں۔ علم توقیت میں اعلیٰ حضرت کے بعد آپ جیسا کوئی ماہر ہندوستان میں نہیں تھا۔ متعدّد علوم وفنون میں جو مہارت آپ کو حاصل تھی اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے دیگر خلفا میں کسی کو حاصل نہیں تھی۔ صحیح البہاری [چھ جلدیں]، موذن الاوقات اور حیات اعلیٰ حضرت [4 جلدیں] ان تینوں کتابوں کے احسان تلے پورے ہندوستان کے حنفی سنی علما وعوام دبے ہیں۔ بہ الفاظ دیگر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے بعد سے اب تک ہندوستانی علما کی اگر علمی کمال کے لحاظ سے فہرست تیار کی جائے تو یقینا ملک العلما کا شمار سر فہرست ہوگا۔ پورے بہار کے ساتھ خطۂ سیمانچل [کٹیہار، پورنیہ، کشن گنج اور ارریا] پر فاضل بہار کا فیضان خصوصی رہا ہے، انھوں نے اپنی دس سالہ زندگی کو سیمانچل میں کھپا کر یہاں کس کس طرح کے گل بوٹے پیدا کیے ہیں؟ ان کے اسی گوشۂ زندگی کا مطالعہ قارئین تک پہنچانا ہے۔

پیدائش: ملک العلما علامہ ظفرالدین بہاری قدس سرہ 10/ محرم الحرام 1303ھ مطابق 19/ اکتوبر 1880ء کو صبح صادق کے وقت پیدا ہوئے۔ بہار کی راجدھانی پٹنہ [اب نالندہ] کا رسول پور میجر، پوسٹ بین آپ کی جائے پیدائش ہے۔ [جہان ملک العلما، ص:154]

حضرت علامہ الحاج لعل محمد مدراسی قدس سرہ نے 9/ محرم الحرام روز جمعہ 1304ھ/ 18/ اکتوبر 1880ء تاریخ پیدائش بتائی ہے۔ مولانا لعل محمد مدراسی اعلیٰ حضرت کے سب سے زیادہ ذی ثروت خلفا میں تھے اور ملک العلما کے قریبی، اخص خاص احباب میں تھے۔ [جہان ملک العلما، ص:110]

مفتی عزیز حسن بھاگل پوری علیہ الرحمہ تلمیذ و مرید خاص حضرت ملک العلما نے بھی 9/ محرم الحرام ہی تاریخ پیدائش رقم فرمائی ہے۔ خاص بات یہ ہے کہ مفتی عزیز حسن بھاگل پوری اور حضرت مولانا الحاج لعل محمد مدارسی نے اس وقت سوانح حیات مرتب کی تھی جب کہ ملک العلما باحیات تھے۔ بلکہ ابھی زندگی کا نصف اول ہی گزار رہے تھے۔ ایسے میں قرین قیاس ہے کہ ملک العلما سے پوچھ کر ہی معلومات جمع کیے ہوں گے۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اپنی تاریخ پیدائش صحیح طور پر بہت ہی کم لوگوں کو معلوم ہوتی ہے، زیادہ تر تعلیمی اسناد ہی کو سند تاریخ پیدائش کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ مفتی اعظم ہالینڈ حضرت مولانا الحاج عبدالواجد دربھنگوی، امین شریعت ثالث ادارۂ شرعیہ، سلطان، گنج پٹنہ کے مطابق دس محرم الحرام 1293ھ کو ملک العلما پیدا ہوئے، والد گرامی نے "غلام حیدر" تاریخی نام رکھا تھا۔ اس حساب سے سال پیدائش 1293ھ نکلتا ہے۔ [دیکھیے جہان ملک العلما، ص:935]

نام ونسب: گاؤں کے بعض معززین نے عبدالحکیم، بعضوں نے مختاراحمد، والد ماجد ملک عبدالرزاق قدس سرہ نے محمد ظفیرالدین نام رکھا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے یا ہٹا کر ظفرالدین کیا، اسی نام سے مشہور زمانہ ہوئے۔ [جہان ملک العلما، ص:116]

ملک العلما کا سلسلۂ نسب سید ابراہیم بن سید ابوبکر غزنی معروف بہ ملک بیا کے واسطے سے شیخ لاثانی، غوث صمدانی سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ تک 29/واسطوں سے پہنچتا ہے۔ سید ابراہیم غزنہ سے ہجرت کرکے سلطان فیروز شاہ کے زمانے میں ہندوستان آکر ہندوستانی فوج میں ملازم ہوئے، 752ھ میں قلعہ روہتاس کے ایک جنگ میں شہید ہوگئے، قصبہ بہار شریف میں ایک پہاڑی پر آپ کا مقبرہ زیارت گاہ عام وخاص ہے۔ [جہان ملک العلما، ص:155]

تعلیم وتربیت: ملک العلما کی تعلیمی زندگی کئی بڑے شہروں میں گزری۔

پٹنہ: دستور کے مطابق چار سال، چار مہینہ، چار دن پر حضرت شاہ چاند بابو قدس سرہ سے رسم بسم اللہ خوانی ادا کی۔ یہ غالباً ملک العلما کے والد گرامی کے پیر و مرشد تھے اور خانقاہِ کچھوچھہ مقدسہ سے مجاز بیعت تھے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر والد ماجد سے لی۔ حافظ مخدوم اشرف میجروی سے قرآن پاک مکمل کیا۔ آگے کی کتابیں مولانا عبد الکبیر صاحب سے پڑھ کر، ننیہال موضع بین کے مدرسہ حنفیہ غوثیہ میں داخل ہوئے۔ یہاں تفسیر جلالین، ملاجلال، سبعہ معلقہ تک پڑھے۔ یہاں کے اساتذہ میں حضرت مولانا مہدی حسن صاحب، حضرت مولانا شیخ محمد منعم صاحب، حضرت مولانا شیخ محمد اکرم صاحب، حضرت مولانا شیخ فخرالدین حیدر صاحب، حضرت شیخ محی الدین صاحب، حضرت مولانا شیخ بدرالدین اشرف صاحب، حضرت مولانا شیخ معین اطہر صاحب، حضرت مولانا ابو نعیم محمد ابراہیم صاحب اعظمی مدرس اول مدرسہ حنفیہ غوثیہ وغیرہم کے اسما آتے ہیں۔ [علیہم الرحمۃ والرضوان][جہان ملک العلما، ص:111]

پھر محب اعلیٰ حضرت قاضی عبدالوحید فردوسی کے قائم کردہ ادارہ مدرسہ حنفیہ بخشی محلہ، پٹنہ میں داخل ہوئے۔ التعلیق المجلی شرح منیۃ المصلی کے مصنف، اپنے وقت کے عظیم محدث، حضرت علامہ وصی احمد محدث سورتی یہاں مدرس تھے۔ ان سے مسند امام اعظم اور مشکوٰۃ المصابیح کا درس لیا۔ [ایضا]

کان پور: محدث سورتی پٹنہ چھوڑ چکے تھے۔ فاضل بہار کی علمی پیاس باقی تھی، اس لیے عازم کان پور ہوئے۔ مدرسہ امداد العلوم، بانس منڈی کان پور، مدرسہ دارالعلوم، مسجد رنگیان، کان پور اور مدرسہ احسن المدارس کان پور جیسے مدارس کے اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ یہاں کے اساتذہ میں حاجی امداداللہ مہاجر مکی کے مرید مولانا قاضی عبدالرزاق صاحب، حضرت مولانا شاہ عبداللہ قدس سرہ حضرت علامہ صوفی احمد حسن پنجابی ثم کان پور قدس سرہ ہیں۔

پیلی بھیت: علامہ وصی احمد محدث سورتی قدس سرہ نے پیلی بھیت میں مدرستہ الحدیث قائم فرمایا، تو آپ کان پور سے پیلی بھیت آگئے اور محدث سورتی سے حمداللہ کا درس لیا۔

بریلی شریف: محدث سورتی کے تبلیغی دورے کثرت سے ہونے لگے، اسباق زیادہ سے زیادہ ناغہ ہونے لگے، اس لیے مدرسہ اشاعت العلوم معروف بہ مدرسہ مصباح التہذیب بریلی شریف میں داخل ہوئے۔ مولانا محمد احسن صاحب بجنوری، حضرت مولانا محمد الدین صاحب سے علمی فیض اٹھائے۔ آخر الذکر شیخ المعقولات حضرت علامہ احمد حسن کانپوری کے شاگرد رشید تھے۔ دیوبندی مکتب فکر کے مولانا محمد حسین بھی یہاں کے مدرس تھے، ان کے درس میں بھی آپ بیٹھے۔ دوران درس علم ما کان وما یکون پر ان سے بحث کرلی، اس سے طلبہ کے اندر آپ کی علمی ڈھاک بیٹھ گئی۔

منظر اسلام: ملک العلما جب مدرسہ اشاعت العلوم میں تھے، بارگاہ اعلیٰ حضرت میں حاضری جاری تھی۔ منظر اسلام ابھی قائم نہیں ہوا تھا۔ ملک العلما نے اس کی شکایت سیدنا اعلیٰ حضرت سے کی، جس کے نتیجے میں منظر اسلام کا قیام عمل میں آیا۔ ملک العلما سب سے اول طالب علم ہوئے، علامہ حسن رضا خاں علیہ الرحمۃ والرضوان اس ادارے کے منتظم قرار پائے۔ حضرت مولانا حافظ حاجی حکیم امیر اللہ صاحب بریلوی، حضرت مولانا حامد حسن صاحب ارشادی تلمیذ خاص مولانا ارشاد حسین فاروقی رام پوری، حضرت مولانا بشیر احمد صاحب علی گڑھی تلمیذ رشید حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی، منظر اسلام کے اساتذہ

منتخب ہوئے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ باضابطہ منظراسلام کے مدرس نہ تھے۔ مگر مسلسل ڈھائی سال تک ظہر کے بعد ملک العلما کو بخاری شریف کا درس دیا۔ ملک العلما کے ساتھ دوسرے طلبہ، علما اور عوام شریک درس ہوتے، مگر درس گاہ خاص ملک العلما کے لیے لگتی۔ پھر عصر کے بعد کا وقت بھی ملک العلما کو دیا اور تحریر اقلیدس، تصریح، شرح چغمینی اور علم توقیت پڑھاتے۔ یہیں تک بس نہیں، عشا کے بعد کا وقت بھی رسالہ قشیریہ، علم تکسیر، جفر وہیئت وغیرہ کے لیے عطا فرمایا۔ اتنی عنایتوں اور محبتوں سے نوازا کہ کندن بن گئے۔

دستار فضیلت: ملک العلما منظراسلام کے پہلے طالب علم تھے۔ بلکہ منظراسلام کے سبب تاسیس بھی تھے۔ 1335ھ میں ایک جلسۂ عام میں خانقاہ ردولی شریف کے سجادہ نشیں حضرت مخدوم شاہ التفات احمد قدس سرہ کے دست اقدس سے، دیگر علما کی موجودگی میں آپ کے سر پر دستار فضیلت سجائی گئی۔ مدرسہ منظر اسلام کی یہ پہلی رسم دستار تھی۔ اعلیٰ امام احمد رضا قدس سرہ نے اسی اسٹیج سے آپ کو ملک العلما اور فاضل بہار کا خطاب بھی عطا فرمایا، مرید تو پہلے ہی اعلیٰ حضرت سے ہو چکے تھے۔ آج اجازت و خلافت بھی عطا فرمائی۔ مزید ملک العلما کے علم و فضل کی گواہی اعلیٰ حضرت اپنے ایک خط میں یوں دیتے ہیں۔

"مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ سنی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی [2] عام درسیات سے بفضلہ تعالیٰ عاجز نہیں [3] مفتی ہیں [4] مصنف ہیں [5] واعظ ہیں [6] مناظرہ بعونہ تعالیٰ کر سکتے ہیں [7] علماے زمانہ میں علم توقیت سے تنہا آگاہ ہیں [جہان ملک العلما، ص:346]

تصانیف: ملک العلما کی تصنیفات ستر سے زائد ہیں، کچھ مطبوعہ ہیں باقی سب طباعت کے انتظار میں ہیں۔ الجامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری اور موذن الاوقات کی علمی دھمک غیروں کے یہاں بھی سنائی دی اور حیات اعلیٰ حضرت چار جلدوں میں لکھ کر سارے سنی رضوی پر احسان فرمایا۔ صاحب زادہ ملک العلما پروفیسر مختار الدین احمد آرزو سابق صدر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے "حیات ملک العلما" میں ستر کتابوں کی فہرست مختصر تعارف کے ساتھ درج فرمائی ہے۔ مگر ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی خواجہ علم و فن خواجہ مظفر حسین رضوی قدس سرہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں۔

"ملک العلما کی تصانیف کی مطبوعہ فہرست میری نظر سے گزری ہے جس میں ایک سو کتابوں کے نام درج تھے۔ فہرست کسی کتاب کے آخر میں چھپی تھی۔ "مختار نامہ" مطبوعہ علی گڑھ سے پتہ چلتا ہے کہ ڈیڑھ سو کتب و رسائل کے مصنف تھے حضور ملک العلما۔ "مختار نامہ" کے مرتبین ہیں ڈاکٹر خورشید اور میر الٰہی ندیم علی گڑھ۔ [جہان ملک العلما، ص:472]

تدریسی خدمات: ویسے تو مدرسہ حنفیہ بخشی محلہ، پٹنہ سے لے کر بریلی شریف تک جہاں بھی آپ متعلم رہے، نیچے درجے کے طلبہ کو پڑھاتے بھی تھے۔ مدرسہ منظراسلام میں تو باضابطہ معین المدرسین تھے۔ فراغت کے بعد پوری زندگی تدریس میں گزری۔ مختلف مقامات تدریس یہ ہیں:

بریلی شریف: فراغت کے بعد مدرسہ منظراسلام میں چار سال تک مدرس رہے اور فتویٰ نویسی میں امام احمد رضا قدس سرہ کا ہاتھ بٹاتے رہے۔

شملہ: امام احمد رضا قدس سرہ کے حکم پر شملہ تشریف لے گئے اور خطابت و امامت کا منصب سنبھالا۔

آرا بہار: شملہ میں ایک ہی سال رہنا ہوا، وہاں سے مدرسہ حنفیہ فیض الغربا آرا، بہار آ گئے اور کئی سال تک یہاں زینت درس گاہ رہے۔

پٹنہ: مسٹر سید نورالہدیٰ ڈسٹرک سیشن جج نے اپنے والد ماجد سید شمس الہدیٰ کے نام مدرسہ اسلامیہ، شمس الہدیٰ قائم کیا، تو ملک العلما یہاں کے صدر مدرس بحال ہوئے۔

سہسرام: مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ میں تقریباً چار سال تدریس کے بعد سہسرام کے مدرسہ عالیہ خانقاہ کبیریہ، سہسرام چلے گئے۔

پٹنہ: 1338 میں مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ حکومت بہار کی نگرانی میں آ گیا تو ملک العلما دوبارہ سینئر مدرس کے عہدے پر بلائے گئے۔ بہت دنوں تک سینئر مدرس ہی رہے۔ 1948ء میں صدر مدرس بنے 1950ء میں سبک دوش ہو گئے۔ اپنے گھر ظفر منزل میں مقیم ہو گئے۔

کٹیہار: خانقاہ رحمٰن پور، تکیہ شریف، بارسوئی، کٹیہار میں واقع ہے۔ بانی خانقاہ مولانا شاہ حفیظ الدین لطیفی قدس سرہ ہیں۔ سید شاہ لطیف علی نوراللہ مرقدہ سابق سجادہ نشین درگاہ سید شاہ رکن الدین عشقی کے مرید وخلیفہ ہیں۔ اسی پاک نسبت سے "لطیفی" شاعرانہ تخلص کرتے تھے۔ مدرسہ لطیفیہ خانقاہ رحمٰن پور تکیہ شریف کے بانی مبانی بھی وہی ہیں۔ ان کے شاگرد وخلیفہ مولانا عابد حسین چنڈی پوری اسی مدرسے میں مدرس تھے۔ کشن گنج کے دو طالب مولوی منور حسین اور مولوی عبدالرزاق اسی مدرسے میں مولوی عابد حسین کے شاگرد تھے۔ یہ دونوں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے بریلی شریف پہنچے، مگر بریلی شریف میں مطبخ کا انتظام نہ تھا۔ طلبہ یا توامامت کرتے یا پھر کسی کے گھر جاگیر لگتی۔ ان دونوں لڑکوں کے لیے جاگیر کا انتظام نہیں ہوسکا اور دونوں امامت کرنے پر تیار نہ ہوئے، بالآخر دونوں کا داخلہ نہ ہوا۔ دونوں رحمٰن پور واپس آئے۔ مولانا عابد حسین چنڈی پوری نے اپنی جیب خاص کے صرفے سے دونوں کو دارالعلوم دیوبند پڑھنے کے لیے بھیج دیا۔ اسی سال شاہ حفیظ الدین لطیفی قدس سرہ کا وصال ہو گیا۔ واضح رہے کہ شاہ حفیظ الدین قدس سرہ اہل سنت کے زبردست موید تھے۔ 1318ھ میں پٹنہ میں تحریک ندوہ کے خلاف جلسہ میں سیمانچل کی قیادت ونمائندگی آپ ہی نے ادا کی تھی۔ تقویۃ الایمان کو مخرب الایمان آپ قرار دے چکے تھے۔ جب دونوں مولوی دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوکر آئے تو مولوی عابد حسین نے کٹیہار شہر میں دارالعلوم لطیفی نام سے ایک عظیم الشان ادارہ قائم کیا۔ اہل سنت مولوی عابد حسین کو سنی سمجھتے تھے، اس لیے بڑھ چڑھ ان کا ساتھ دینے لگے، مولانا عابد حسین نے مولوی منور حسین کو دار العلوم لطیفی کا شیخ الحدیث اور مولوی عبدالرزاق کو نائب شیخ الحدیث مقرر کیا۔ اہل سنت میں اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لے کئی سنی علما کو بھی مدرس رکھ لیا۔ کل ملاکر نو اساتذہ منتخب ہوئے۔ خانقاہ رحمٰن پور کے مخدوم شرف الہدیٰ اور خواجہ وحید اصغر مولوی عابد حسین کی اس حرکت پر سخت برہم ہوئے۔ مولوی عابد حسین چنڈی پوری بجائے دیوبندی اساتذہ کو دارالعلوم لطیفی سے برخواست کرنے کے، خود ہی مدرسہ لطیفیہ کو چھوڑ دیا۔ یہاں کے مذہبی حضرات مولانا عابد حسین کے اندرونی خیالات سے واقف ہوچکے تھے۔ اور کافی بے چین بھی تھے۔ مگر عوام مولوی عابد حسین کو خانقاہ رحمٰن پور کا نمائندہ ہی تصور کرتے تھے۔ عملہ ٹولہ کٹیہار شہر کی مسجد میں موضع سہرول، کدوا کے ایک منشی صاحب نے محفل میلاد کا پروگرام رکھا۔ مولوی عابد حسین ودیگر اساتذۂ دارالعلوم لطیفی کو مدعو کیا۔ میلاد کے بعد دستور کے مطابق قیام وصلوٰۃ وسلام ہوناتھا، مگر بغیر صلوٰۃ وسلام کے فاتحہ خوانی ہوگئی۔ کسی نے پوچھ لیا۔ تو مولوی عابد اور ان کے ہم نواؤں نے قیام کو ناجائز وبدعت قرار دے دیا۔ ملک العلما کے شاگرد رشید حضرت مولانا علیم الدین رضوی [ان کا تفصیلی ذکر آگے ہے] کے بہ قول "سچ پوچھیے تو جامعہ لطیفیہ بحرالعلوم کٹیہار کے اصلی بانی سہرول کے وہی منشی جی ہیں"۔ انھوں نے ہی وکیل عبدالسلام اور دیگر لوگوں کی توجہ اس کی طرف کروائی۔ میٹنگ لینے کے بعد ایک وفد حضرت خواجہ سید شاہد حسین عرف درگاہی میاں کے پاس پٹنہ بھیجا گیا۔ درگاہی میاں اس وقت خانقاہ بارگاہ عشق پاک میتن گھاٹ پٹنہ کے سجادہ نشین تھے۔ اس وقت اسی خانقاہ کا فیضان سیمانچل پر برس رہا تھا۔ خواجہ حفیظ الدین لطیفی قدس سرہ کو یہیں سے خلافت واجازت حاصل تھی۔ مولوی عابد حسین کے تصوف کا سرا بھی یہیں سے جڑا ہوا تھا۔ درگاہی میاں کا دورہ کٹیہار میں ہوتا رہتا تھا۔ کدوا آسمبلی حلقہ سے ایک بار ممبر بھی رہے۔ درگاہی میاں کے والد حضرت سید شاہ حمید الدین قدس سرہ کا وصال ہوچکا تھا۔ لوگ درگاہی میاں کے پاس پہنچے اور حالات سے باخبر کیا۔ درگاہی میاں معاملہ کے تصفیہ کے لیے خانقاہ رحمٰن پور تشریف لائے۔ خواجہ وحید اصغر قدس سرہ فرزند اصغر شاہ حفیظ الدین لطیفی قدس سرہ اس وقت خانقاہ رحمٰن پور کے سجادہ نشین تھے۔ مولوی عابد حسین چنڈی پوری کو بھی بلایا گیا۔ دیوبندیوں کے عناصر اربعہ کی تکفیر پر علمائے عرب وعجم کا موقف پیش کیا گیا اور تصدیق وتائید چاہی، مگر انھوں نے تصدیق سے صاف انکار کردیا۔ پھر کیا تھا درگاہی میاں اور خواجہ وحید اصغر نے خانقاہ بارگاہ عشق پاک پٹنہ اور خانقاہ رحمٰن پور تکیہ شریف بارسوئی سے مولوی عابد حسین کی لاتعلقی کا اعلان فرمادیا۔ اب خواص کے ساتھ عوام بھی مولوی عابد کے باطنی نظریات سے واقف

ہو چکی تھی۔ مگر اب دارالعلوم لطیفی کے بالمقابل اہل سنت کے ادارے کی شدید ضرورت محسوس ہونے لگی۔

درگاہی میاں نے محسوس کیا کہ کوئی چھوٹا موٹا ادارہ اور کچھ چھوٹے موٹے علما کے انتخاب سے دارالعلوم لطیفی کی کاٹ نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ادارہ بڑا ہونا چاہیے جہاں اپنے وقت کے مایہ ناز اساتذہ مقرر ہوں۔ انہی دنوں حضور ملک العلما مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے سبک دوش ہو کر ظفر منزل میں قیام فرماتھے۔ کسی ادارے سے منسلک نہ ہو کر تصنیف و تالیف میں مصروف رہنا چاہتے تھے۔ مگر درگاہی میاں ان کی بارگاہ میں پہنچ گئے۔

درگاہی میاں کے والد سید شاہ حمید الدین قدس سرہ سے ملک العلما کے گہرے تعلقات تھے۔ 27/رجب المرجب کو خانقاہ عشق پاک میتن گھاٹ میں ہر سال جلسہ ہوتا، ملک العلما کی ضرور شرکت ہوتی اور واقعہ معراج پر تفصیلی گفتگو فرماتے۔ ملک العلما کی ان تقریرات کا مجموعہ کتابی شکل میں بھی شائع ہو چکا ہے، ملک العلما نے شاہ حمید الدین علیہ الرحمہ کے وصال کو اپنی کمر ٹوٹنے سے تعبیر فرمائی ہے۔

درگاہی میاں نے ملک العلما کو حالات سے آگاہ کیا۔ بڑی منت و سماجت کی۔ اس وقت کے حساب سے بیش قرار تنخواہ دینے کا وعدہ فرمایا۔ آخر کار ملک العلما کو راضی کر لیا۔ یہ سب کچھ شعبان المعظم میں ہی ہو گیا۔ عملہ ٹولہ کٹیہار میں مکان کرایا پر لے لیا گیا۔ شوال المکرم میں ملک العلما کٹیہار تشریف لائے۔ از خود مدرسہ کا نام مدرسہ لطیفیہ بحر العلوم فرمایا۔ شہزادۂ ملک العلما پروفیسر مختار الدین آرزو کا ایک اقتباس نقل کرتا ہوں۔ طوالت کے باوجود فائدہ سے خالی نہیں ہے، وہ لکھتے ہیں:

"شاہ شاہد حسین عرف درگاہی میاں خلف سید شاہ حمید الدین سجادہ نشین تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق کی استدعا پر 21/شوال 1371ھ کو کٹیہار ضلع پورنیہ بہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا انھوں نے افتتاح فرمایا اور صدر مدرس کے عہدے کو رونق بخشی، صرف اس بنا پر کہ اس علاقے میں مسلمانوں کی آبادی کے باوجود کوئی قابل ذکر دینی مدرسہ نہ تھا۔ انھوں نے مدرسے کے لیے اچھے اساتذہ کا انتخاب فرمایا۔ جن میں مولانا احسان علی مظفر پوری سابق استاد مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف۔ مولانا محمد یوسف، مولانا محمد مشتاق، مولانا محمد شہاب الدین، مولانا محمد سلیمان رضوی کے نام یاد آتے ہیں۔ مولانا شاہ عبد المنان چشتی فردوسی سابق مدرس مدرسہ محمدی خاں پٹنہ سٹی نے بھی کچھ عرصہ اس مدرسے میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ کبر سنی اور دوسری انتظامی ذمہ داریوں کے باوجود ملک العلما روزانہ چھ گھنٹے پڑھاتے تھے۔ مدرسہ کا نظام الاوقات دیکھنے سے معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنے ذمہ تفسیر مدارک، بیضاوی شریف، بخاری شریف، مسلم، ہدایہ آخرین اور مناظرہ رشیدیہ کی تدریس رکھی تھی۔ مدرسہ کی نظامت و تدریس کے ساتھ فتویٰ نویسی، تالیف و تصنیف اور مواعظ حسنہ کا سلسلہ بھی انھوں نے جاری رکھا۔ سالانہ جلسہ دستار بندی کے موقع پر وہ نامور علما و مقررین کو مدعو کرتے رہے، حضرت مولانا سید محمد کچھوچھوی، مفسر قرآن مولانا ابراہیم رضا خان [جیلانی میاں] اور دوسرے علما کے مواعظ حسنہ سے بھی مدرسے کے طلبہ و اساتذہ مستفیض ہوتے رہے۔

جامعہ لطیفیہ کے قیام سے شمالی بہار کے مسلمانوں کو بہت فائدہ پہنچا اور اس علاقے میں دین کو فروغ ہوا، سیکڑوں طلبہ وہاں سے فارغ ہو کر دور و دراز علاقوں میں پھیل گئے۔ بعضوں کے نئے مدارس بھی قائم کیے، کچھ اصحاب نے مواضع قصبات کے مدارس کو اپنی خدمات سے ترقی دی جہاں اب تک محدود پیمانے پر تعلیم کا انتظام تھا۔ اس لحاظ سے ملک العلما کا پورنیہ میں دو سال کا قیام بہت مفید رہا، جب انھوں نے دیکھا کہ ان کا لگایا ہوا پودا مضبوط و توانا ہو کر شجر بارآور ہو گیا تو ربیع الاول شریف 1380ھ میں جامعہ لطیفیہ کٹیہار سے وہ ظفر منزل شاہ گنج پٹنہ آکر مقیم ہو گئے اور یہاں انھوں نے سلسلہ رشد و ہدایت شروع کیا۔ [جہاں ملک العلما، ص:160]

کٹیہار میں مدت قیام: ڈاکٹر مختار الدین آرزو صاحب کا یہ لکھنا کہ "پورنیہ میں دو سال کا قیام بہت مفید رہا" قابل غور ہے۔ اس سے متشرح ہوتا ہے کہ ملک العلما کٹیہار بحر العلوم میں صرف دو سال رہے۔ غالباً ڈاکٹر مختار الدین صاحب ہی کی پیروی میں کئی مضمون نگار نے جہاں ملک العلما میں کٹیہار میں ملک العلما کے قیام کی مدت دو سال ہی درج فرمائی ہے۔ مگر خود ڈاکٹر آرزو صاحب نے کٹیہار میں

ملک العلما کی تشریف آوری کی تاریخ 21/شوال 1371ھ اور واپسی کا سال 1380ھ درج فرمایا ہے۔ڈاکٹر آرزو صاحب کے شہزادے ڈاکٹر طارق مختار پروفیسر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ نے بھی آمد ورفت کی وہی تاریخ رقم فرمائی ہے۔ اس حساب سے مدت قیام نو سے دس سال ہوئی ہے نہ کہ محض دو سال۔ امیر القلم ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی، خواجہ علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی قدس سرہ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"امام علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین صاحب مدظلہ جو ملک العلما کے قابل فخر تلمیذ ہیں۔ اور بفضلہ تعالیٰ بقید حیات ہیں وہ فرماتے ہیں! پانچ سال تک میں نے خدمت کی ہے اور یہ کوئی 1955ء کا زمانہ تھا، لہٰذا پانچ سال کا قیام تو میری آنکھوں نے دیکھا ہے۔[حیات ملک العلما، ص:275]

ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب مزید رقم طراز ہیں:

"حسن اتفاق سے ملک العلما کا ایک فتویٰ اس وقت میرے سامنے ہے جس پر نومبر 1954ء کی تاریخ درج ہے۔ اختتامیہ جملہ ہے: "والسلام علی اہل الاسلام محمد ظفر الدین قادری رضوی غفرلہ پرنسپل جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار ضلع پورنیہ۔ بقلم محمد عبد الرشید متعلم جامعہ لطیفیہ" [ایضا]

ڈاکٹر شمس صاحب کے دونوں اقتباس سے مسئلہ حق الیقین سے عین الیقین تک پہنچ جاتا ہے کہ ملک العلما کے قیام کی مدت کم ازکم دو سال تو نہیں بلکہ اس سے بہت زیادہ ہے، ملک العلما 1950ء میں کٹیہار تشریف لائے اور 1960ء کو طبیعت علیل ہونے کی وجہ سے واپس چلے گئے، اس طرح کم وبیش دس سال قیام رہا۔ ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی صاحب نے پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو کی "دو سال مدت قیام" کی روایت کو کتابت کی غلطی کا خدشہ جہاں ملک العلما کے ص:275 میں ظاہر کیا ہے۔ مگر اس سے پہلے انھوں نے بھی کئی جگہ جہان ملک العلما ہی میں مدت قیام دو سال ہی درج فرمایا ہے، غالباً یہ مختار الدین صاحب کے اتباع میں ہے۔

ایک غلط فہمی: مدرسہ لطیفیہ بحر العلوم کا قیام 1371ھ مطابق 1950ء میں ہوا تھا، ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی کے ساتھ جملہ تذکرہ نویسوں کا اس پر اتفاق ہے۔ اس دارے کا قیام خانقاہ بارگاہ عشق پاک میتن گھاٹ پٹنہ سٹی پٹنہ کے خواجہ سید شاہد حسین عرف در گاہی میاں نے کیا تھا۔ مولوی عابد کے معاملہ کا تصفیہ رحمٰن پور خانقاہ آکر انھوں نے ہی کیا تھا۔ ملک العلما کٹیہار آنے پر راضی بھی انہی کی منت وساجت پر ہوئے تھے۔ یہ باتیں مجھے میرے پدر بزرگ وار، منبع شفقت، الحاج ماسٹر محمد زین الدین دام ظلہ نے کئی بار بتائیں۔ خانقاہ رحمٰن پور کی عظیم شخصیت حضرت مولانا خواجہ ساجد عالم لطیفی مصباحی دام ظلہ علینا نے بھی اپنے مضمون [مطبوعہ جہاں ملک العلما] میں در گاہی میاں ہی کا ذکر کیا ہے۔

بالمشافہ گفتگو پر بھی انھوں نے در گاہی میاں کا ہی نام لیا۔ ملک العلما کے شاگرد رشید علامہ عبد العلیم علمی بھوپلا، کشن گنج [ان کا تفصیلی ذکر آگے ہے] سے بھی بالمشافہ دریافت کرنے پر در گاہی میاں کو ہی بحر العلوم کا بانی مبانی قرار دیا۔ ملک العلما کے دوسرے شاگرد حضرت مولانا عبد القادر رشیدی دام ظلہ علینا[تفصیلی ذکر آگے ہے] چوپڑا، بائسی سے روبرو گفتگو ہوئی، انھوں نے بھی در گاہی میاں کا نام لیا اور اپنے ایک بیاض میں ان ہی کا نام لکھا جس کی فوٹو کاپی میرے پاس بھی ہے۔ مگر ڈاکٹر غلام جابر شمس پورنوی نے جہاں ملک العلما کے ص:105 میں ملک العلما کے شاگرد رشید امام علم فن خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمہ پر ایک مضمون کے تحت در گاہی میاں کی جگہ ان کے والد ماجد شاہ حمید الدین قدس سرہ کا ذکر فرمایا ہے۔ مولوی عابد کے معاملہ کے تصفیہ سے لے کر ملک العلما کے لانے اور بحر العلوم کے قیام تک سارے معاملات کی نسبت شاہ حمید الدین کی طرف کی ہے، کاملان پورنیہ میں بھی ایک جگہ قضیۂ بحر العلوم کی نسبت شاہ حمید الدین کی طرف کی ہے۔ جوکہ عقلاً وروایتاً دونوں حساب سے غلط ہے۔ روایتاً تو ظاہر ہے۔ درایتاً اس لیے کہ مدرسہ بحر العلوم کا قیام 1371ھ میں ہوا اور شاہ حمید الدین کا وصال 1364ھ میں ہی ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر مختار الدین آرزو لکھتے ہیں:

"ملک العلما اپنے ایک خط مورخہ 4/شوال 1364ھ میں استاذ العلما مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی کو تحریر فرماتے ہیں: جناب کا کرامت نامہ آیا۔ 23/رمضان المبارک شب کے ایک بجے محب

سنت وعلماے سنت، مخلص جناب سید شاہ حمید الدین صاحب سجادہ نشیں تکیہ شریف میتن گھاٹ پٹنہ، جن کے یہاں جلسہ رجبی شریف میں دومرتبہ جناب تشریف لائے تھے۔ ان کا انتقال پر ملال ہوا۔ اس حادثے نے میری کمر توڑدی ۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کی کامیابی کا اعتماد انہی کے بازوے ہمت پر تھا۔[جہان ملک العلما، ص:160]

ڈاکٹر غلام جابر شمس مصباحی پورنوی قلم کے بادشاہ ہیں، ان کے قلم کو بڑے بڑوں نے سراہا ہے۔ ان کی تحریرات کے سامنے میرا قلم طفل مکتب ہے ۔ اس کے باوجود ڈاکٹر صاحب سے میری گزارش ہے کہ متعدّد تاریخی لغزشات ان کی تحریروں میں جگہ پائی ہیں۔ اس پر خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اساتذہ کا انتخاب: مدرسہ بحر العلوم کی انتظامیہ کمیٹی ضرور تھی ،مگر تعلیمی امور، اساتذہ کا انتخاب وغیرہ کا کل اختیار آپ کو حاصل تھا۔ آپ نے جن علما کا انتخاب فرمایا وہ اپنے وقت کے آفتاب وماہتاب تھے۔ جیسے:

علامہ محمد سلیمان اشرفی قدس سرہ: جامع معقولات ومنقولات علامہ محمد سلیمان اشرفی قدس سرہ موضع ماجھی پور، سبور، ضلع بھاگلپور بہار سے تعلق رکھتے تھے۔ جامعہ اشرفیہ کچھوچھہ مقدسہ، فیض آباد یوپی میں سید شاہ محمد اشرفی جیلانی قدس سرہ سے تعلیم حاصل کی۔ جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مرادآبادی کے سامنے زانوے تلمذ طے کیا۔ جامعہ معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف میں حضور صدر الشریعہ علامہ امجد علی قدس سرہ مصنف بہار شریعت کے شاگرد ہوئے۔ فراغت وہیں سے حاصل کی اور جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے مدرس منتخب ہوئے۔ پھر ایک طویل عرصہ تک جامعہ اشرفیہ مبارک پور اعظم گڑھ میں نائب شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز رہے۔ جامعہ حمیدیہ بنارس میں بھی بساط تدریس بچھائی۔ ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری کے بلاوے پر مدرسہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار آ گئے اور سیمانچل کو خوب سیراب کیا۔ اپنے گاؤں ماجھی پور میں ایک ادارہ مدرسہ اشرفیہ اظہار العلوم قائم فرمایا۔ 1397ھ مطابق 1977ء کو وصال فرمایا۔[مجاہد ملت نمبر، ص:362]

علامہ احسان علی مظفرپوری محدث بہاری قدس سرہ: موجودہ ضلع سیتامڑھی [سابق مظفرپور] کے علاقہ فیض پور، باتھ اصلی، تھانہ نان پور سے تعلق رکھنے والی یہ شخصیت پورے ملک کے لیے بافیض ثابت ہوئی۔ ملک کا کون ساخطہ ہوگا جن پران کا فیض رواں نہ ہو۔ آپ 1316ھ کو پیدا ہوئے ہیں۔ سرکار مجیٰ کے جاں نشیں علامہ ولی الرحمٰن ولی، پوکھریرا کی بارگاہ میں تعلیم کے لیے حاضر ہوئے۔ کافیہ، قدوری تک ان سے ہی تعلیم لی۔ 1333ھ میں منظر اسلام بریلی شریف پہنچ گئے۔ حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں، صدر الشریعہ علامہ امجد علی ،حضرت نور الحسین نوری فاروقی رامپوری علیھم الرحمۃ الرضوان جیسے اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ دستار بندی کے سال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کا وصال ہو چکا تھا۔ اعلیٰ حضرت کے عرس چہلم میں دستار بندی ہوئی، شیر بیشۂ اہل سنت علامہ حشمت علی خاں لکھنوی ثم پیلی بھیتی آپ کے رفیق درس تھے۔ فراغت کے بعد منظر اسلام کے مدرس ہوئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ایک سال مدرسہ انوار العلوم علیمیہ دامودر پور میں صدر مدرس کا عہدہ سنبھالا۔ مگر مفسر قرآن علامہ ابرہیم رضا خاں [جیلانی میاں] قدس سرہ کے اصرار پر دوبارہ منظر اسلام آ گئے پھر تقریبًا چالیس سال تک وہیں خدمت انجام دی اور شیخ الحدیث کے عظیم منصب پر فائز رہے۔ درمیان میں ملک العلما علامہ ظفر الدین بہار قدس سرہ کے بلاوے پر جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار بھی تشریف لائے۔ بحر العلوم کٹیہار میں آپ کی مدت قیام کیا تھی؟ یہ ایک غور طلب پہلو ہے۔ پروفیسر مختار الدین آرزو نے "حیات ملک العلما" میں صرف علامہ احسان علی مظفرپوری کی آمد کا ذکر کیا ہے۔ مدت قیام کا ذکر نہیں ہے۔ علامہ احسان علی مظفر پوری قدس سرہ کے پوتے مولانا حسان علی احسانی ہیں، فاضل منظر اسلام ہیں، خانقاہ احسانیہ کے موجودہ سجادہ نشیں ہیں۔ دار العلوم احسانیہ رضویہ کے ناظم اعلیٰ بھی۔ ان سے جب فون پر دریافت کیا تو انھوں نے محدث بہار کی کٹیہار تشریف آوری سے لاعلمی کا اظہار کیا۔

محدث بہار کے ایک شاگرد ہیں علامہ عبد العلیم علمی مالک علمی کتب خانہ، بہادر گنج، کشن گنج، یہ بحر العلوم کٹیہار اور منظر اسلام دونوں جگہ سے فیض یافتہ ہیں۔ منظر اسلام میں علامہ احسان علی مظفرپوری سے بخاری شریف وغیرہ پڑھ چکے ہیں۔ محدث بہار نے انھیں تعویذ ووظائف اور حدیث کی سند بھی عطا کی ہے، مدرسہ بحر العلوم

کٹیہار میں ملک العلما کے بھی شاگردی میں رہ چکے ہیں۔ان کے مطابق ملک العلما کی خواہش پر محدث بہار بحر العلوم ضرور تشریف لائے تھے۔مگر یہاں کی آب وہوا انھیں راس نہیں آئی۔یہاں کی مشقتیں ان کی قوت برداشت سے باہر تھیں۔اس لیے چند ہی مہینے کے بعد واپس چلے گئے اور منظر اسلام کو پھر سے رونق بخشی ،حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خاں سے شرف بیعت رکھتے تھے ۔10/ شوال 1402ھ مطابق 1982ء میں آپ کا وصال ہو گیا۔ ہر سال شوال کو تیس کا مان کر 20/ ذی قعدہ میں فیض پور میں ان کا عرس منایا جاتا ہے۔

محدث بہار کا یہ حیات نامہ ان کے پوتے حضرت مولانا حسان علی احسانی صاحب نے فراہم کرایا، جو مولانا ریحان رضا انجم مصباحی صاحب کا قلم برداشتہ ہے ۔ چھ صفحات پر بڑے خوبصورت کاغذ میں مطبوعہ ہے ۔ محدث بہار کے مایہ ناز تلامذہ کی ایک لمبی فہرست بھی اس میں شامل ہے۔بہ غرض اختصار یہاں صرف نظر کرتا ہوں۔

مفتی عبد المنان گیاوی قدس سرہ: گیا بہار کا ایک معروف ضلع ہے ،مفتی عبدالمنان گیاوی اسی ضلع سے تعلق رکھتے تھے، تفصیلی حالات دستیاب نہیں ،علامہ عبد العلیم علمی مالک علمی کتب خانہ کے بہ قول جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے پروردہ تھے ۔ علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ الرضوان کے ہم درس تھے۔ ہم عصر علما میں متوسط درجے کے علما میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ محدث بہار کی طرح آپ بھی مختصر اوقات ہی بحر العلوم کٹیہار کو دیے۔

مولانا محمد یوسف عظیم آبادی قدس سرہ: مولانا محمد یوسف پٹنوی کی پیش کش درگاہی میاں حضرت سید شاہد حسین نے کی تھی ۔ازیں قبل مولانا یوسف صاحب خانقاہ عشق پاک میتن گھاٹ کے مدرسہ میں مدرس تھے۔ مشربا خانقاہ سے منسلک بھی تھے ۔انھوں نے بحر العلوم کو طویل مدت قیام سے نوازا۔ بحر العلوم میں شروع شروع ابتدائی درجات کی کتابیں پڑھاتے تھے بعد میں متوسطات تک بلکہ ترمذی شریف وغیرہ پڑھانے لگے۔ملک العلما کے حجرے میں ہی آپ کا قیام تھا۔ دوران مطالعہ ملک العلما سے پوچھتے رہتے ۔ ملک العلما بڑی شفقت سے جواب عطا فرماتے ۔کثرت سوال پر کبھی جھنجھلاہٹ بھی دکھاتے، مگر مولانا یوسف پر کوئی برا اثر نہیں پڑتا،ایک بار شہر کٹیہار میں ہندو مسلم کا ہنگامہ ہو گیا۔ ملک العلما خائف ہوئے۔ مولانا یوسف ملک العلما کا خوف دور کرنے کے غرض سے ڈنڈا لے کر گیٹ پر کھڑے ہو گئے اور جب تک ملک العلما پر نیند غالب نہیں ہوئی آپ کھڑے رہے۔اس طرح ملک العلما پر جب بھی کسی وجہ سے خوف طاری ہوتا،آپ سپاہی بن کر ان کا خوف دور کرتے ۔ اس سے دونوں کے درمیان کی محبت وعقیدت کا پتہ چلتا ہے۔

علامہ مشتاق احمد مظفر پوری قدس سرہ : حضرت علامہ مفتی محمد مشتاق احمد مظفر پوری قدس سرہ مقام و پوسٹ باتھ اصلی، تھانہ نان پور ضلع سیتا مڑھی [سابق ضلع مظفر پور] کے رہنے والے تھے۔ محدث بہار علامہ احسان علی مظفر پوری کے شاگرد تھے۔منظر اسلام سے فراغت حاصل تھی۔ان کے والد مولانا عبد الکریم تھے۔ مولانا مشتاق احمد مظفر پوری نے مدرسہ بحر العلوم کٹیہار کے علاوہ جامعہ عربیہ سلطان پور میں بھی تدریسی خدمات انجام دیے، کٹیہار کے بعد منظر اسلام بریلی شریف میں بھی مدرس رہے۔1972ء میں آپ کا وصال ہو گیا۔ وصال کے وقت آپ مدرسہ منظر اسلام میں مدرس تھے ۔ علامہ مشتاق احمد نظامی قدس سرہ کی کتاب "خون کے آنسو" مطبوعہ بار دوم 1998ء رضوی کتاب گھر دہلی کے صفحہ 325 میں علامہ مشتاق احمد مظفر پوری کا ایک خط "بحر العلوم کٹیہار" کے عنوان سے مطبوع ہے۔ مراسلہ نگار کا نام اس طرح درج ہے۔

"آپ کا اپنا محمد مشتاق احمد غفرلہ مظفر پوری خادم شعبہ تدریس وافتا جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کٹیہار"

مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف کی جانب سے ہر سال "ریحان ملت کلینڈر، جاری ہوتا ہے ۔ اس وقت 1442ھ مطابق 2020ء کا کلینڈر میرے سامنے ہے ۔ 26/ ربیع الاخر مطابق 14/ دسمبر کے باکس میں لکھا ہے "وصال مولانا محمد مشتاق احمد باتھ اصلی ']۔ علامہ محمد مشتاق احمد مظفر پوری کے شہزادے مولانا محمد اشتیاق احمد رضوی کریمی مدرس مدرسہ فیضان رضا مقام ڈکا، پوسٹ مادھو ٹانڈہ، تحصیل کل نگر ضلع پیلی بھیت نے بتایا کہ ہر سال کے کلینڈر میں علامہ مشتاق مظفر پوری کا نام ضرور رہتا ہے۔

[جاری]

ڈائری نویسی کی اہمیت وافادیت

مولانا طفیل احمد مصباحی: سابق سب ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور

ابلاغ وترسیل انسانی فطرت کا ایک لازمی حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زبان اور قلم کی دولت سے اس لیے نوازا ہے کہ وہ اپنی چند روزہ زندگانی میں ابلاغ و ترسیل جیسی فطری ضرورت کی تکمیل کر سکے۔ ذرائعِ ابلاغ کے سارے انواع واقسام انسان کے انہیں فطری تقاضوں کی دَین ہیں۔ شعور و آگہی کی منزل میں قدم رکھنے کے بعد انسان اپنے گرد و پیش کے حالات و واقعات سے باخبر رہنے کی خود بھی کوشش کرتا ہے اور دوسروں کو بھی ان کی اطلاع پہنچانے کی خواہش رکھتا ہے۔ ڈائری نویسی، روزنامچہ نویسی، آپ بیتی اور خبر نگاری کے پس پردہ شروع سے یہی اغراض کار فرما رہے ہیں۔ صحافتی مفہوم سے قطع نظر عمومی لحاظ سے ''ڈائری نویسی'' ایک قسم کی ''خبر نگاری'' ہے۔ کیوں کہ احوال و کوائف قلم بند کرنا اور دوسروں کو ان کی اطلاع بہم پہنچانا، دونوں میں مشترک ہیں۔

شافع قدوائی کے بقول:

''انسان اپنے شعور کے ابتدائی مراحل ہی سے اس بات کا خواہش مند تھا کہ وہ اپنے گرد و پیش کے حالات و واقعات سے پوری طرح باخبر رہے، نیز اپنے احوال و کوائف سے دوسروں کو مطلع کرے۔ اس لحاظ سے انسان کی عمر کا بڑا حصہ جگ بیتی سننے اور آپ بیتی سنانے میں گزر جاتا ہے۔ بہ الفاظ دیگر یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ انسانی زندگی اصلاً رپورٹنگ سے عبارت ہے اور ہر انسان اس اعتبار سے رپورٹر ہے کہ وہ روزانہ دوسروں کو کسی نہ کسی اطلاع یا رائے سے مطلع کرتا ہے اور ان سے ان کے شخصی و غیر شخصی واقعات جاننے کا مشتاق رہتا ہے۔ یہ دو طرفہ عمل در اصل خبر نگاری کی ایک شکل ہے۔ ایک عام انسان اور باقاعدہ رپورٹر میں صرف اتنا فرق ہے کہ اول الذکر ایک اہم یا غیر اہم واقعہ کو سرسری انداز میں بیان کرنے پر اکتفا کرتا ہے، جب کہ مؤخر الذکر [رپورٹر] ایک واقعے کو جو عوام کی دلچسپی کا باعث ہو، معروضی انداز میں پیش کرتا ہے''۔

ڈائری یا روزنامچہ میں اہم و غیر اہم، معروضی و غیر معروضی، دینی، علمی، ملکی، سماجی اور تمدنی ہر قسم کے احوال و کوائف بیان کیے جاتے ہیں۔ اردو میں ڈائری یا روزنامچہ نویسی کی روایت قدیم ہے۔ لیکن آج یہ روایت دم توڑتی نظر آتی ہے۔ مکتوب نگاری کی طرح ڈائری نویسی کی طرف لوگوں کا رجحان اب کم ہو گیا ہے۔ لوگ پہلے سونے سے قبل دن بھر کے حالات قلمبند کرتے تھے اور آج سونے سے قبل ہاتھوں میں موبائل فون ہوتا ہے۔ آج حالاتِ حاضرہ سے واقفیت تو حاصل کی جاتی ہے، لیکن انہیں ڈائری لکھنے کی شکل میں ضبطِ تحریر میں لانے کی شعوری کوشش نہیں کی جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ نگاہوں کے سامنے ہے کہ اچھی ڈائریاں اب وجود میں نہیں آرہی ہیں۔ اردو میں ڈائری یا روزنامچے بہت کم لکھے گئے ہیں۔ اردو زبان کے پہلے مصنف حضرت مخدوم اشرف جہاں گیر سمنانی کچھوچھوی علیہ الرحمہ کے خاندان سے تعلق رکھنے والے اپنے وقت کے جلیل القدر عالم و صوفی حضرت سید شاہ اشرف حسین اشرفی جیلانی علیہ الرحمہ نے تقریباً 43/ جلدوں

پر مشتمل ڈائری یا روزنامچے لکھے ہیں ۔ آپ کا یہ معمول تھا کہ روزانہ بعد نماز عشا بلا ناغہ روزنامچہ تحریر کرتے ۔ دستیاب شدہ اردو روزنامچوں میں مولوی سید مظہر علی سندیلوی کا روزنامچہ جو قلمی صورت میں موجود ہے ، بڑی اہمیت کا حامل ہے ۔ یہ جنوری 1867ء سے 1911ء تک یعنی تقریباً پینتالیس سال تک لکھا گیا بلاناغہ روزنامچہ ہے۔

"ڈائری نویسی" کا شمار اردو نثر کی غیر افسانوی اصناف میں ہوتا ہے ۔ تذکرہ ، سفرنامہ ، مضمون ، خطوط ، سوانح ، انشائیہ ، خود نوشت ، آپ بیتی ، خاکہ نویسی ، دیباچہ ، رپورتاژ ، مراسلہ ، روزنامچہ ، تبصرہ ، مقالہ اور لغت نویسی کا تعلق غیر افسانوی نثری اصناف سے ہے ۔ ڈائری نویسی کی اہمیت و افادیت مسلم ہے ۔ دنیا کی ہر متمدن اور ترقی یافتہ زبانوں میں اس کا چلن عام رہا ہے ۔ ڈائری نویسی بیک وقت آپ بیتی بھی ہے اور جگ بیتی بھی ۔ سوانحی ماخذ بھی ہے اور تاریخی حوالہ بھی ۔ ڈائری لکھنے والا جہاں اپنی ذاتی زندگی کے احوال اس میں تحریر کرتا ہے ، وہیں حالاتِ حاضرہ کا بے لاگ تجزیہ بھی کرتا ہے ۔ ڈائری نویسی کے بہت سارے فائدے ہیں ۔ اس سے ہمیں بیک وقت دینی ، علمی ، تاریخی ، سیاسی اور سماجی حالات کا علم ہوتا ہے ۔ زبان و بیان پر قدرت اور مافی الضمیر کی ادائیگی کا ملکہ حاصل ہوتا ہے ۔ نئی نسلوں کو اپنے اسلاف کے تجربات و مشاہدات کا ایک آئینۂ جہاں نما ہاتھ آتا ہے ، جس سے ان کا تاریخی شعور پروان چڑھتا ہے اور ملک و ملت کے روشن مستقبل کے لیے ان کے اندر کچھ کرنے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے ۔ مغلوں کی تاریخ میں امیر تیمور ، بابر ، ہمایوں اور جہاں گیر نے اپنے اپنے ادوار کے چیدہ چیدہ واقعات خود قلمبند کیے جو آج تاریخ کے طلبہ کے لیے ایک بیش قیمت ماخذ گردانے جاتے ہیں ۔ آج ہمارے پاس مغل سلطنت کے چیدہ چیدہ واقعات پر مشتمل جو تاریخی دستاویز "تزکِ بابری" و "تزکِ جہاں گیری" کے نام سے موجود ہے ، یہ دراصل "ڈائری نویسی و روزنامچہ نویسی" کا نتیجہ ہے۔

ڈائری لکھنے سے انسان کی قوتِ مدافعت میں بہتری آتی ہے اور اس کی قوتِ متخیلہ پروان چڑھتی ہے ۔ اس کے علاوہ ڈائری نویسی مختلف جسمانی و دماغی امراض کے خاتمے کا سبب بنتی ہے ۔ اس کا سب سے بڑا مادی فائدہ دماغی تناؤ اور ڈپریشن میں کمی آنا ہے ۔ ڈائری میں اپنی ذات یا کائنات سے متعلق احوال و واقعات کا لکھ لینا ، گویا خود کو دماغی طور پر راحت و سکون پہنچانا ہے ۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ کسی سے اپنی پریشانی اور رنج و غم کا حال بیان کر کے اپنا بوجھ ہلکا کر رہے ہیں ۔ امریکی ماہرینِ نفسیات کے مطابق روزانہ ڈائری لکھنے سے ذہنی اور جسمانی عوارض میں نمایاں افاقہ ہوتا ہے ۔ ایک تحقیق کے مطابق مختلف دماغی امراض میں مبتلا طلبہ سے کہا گیا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق کسی بھی موضوع پر ڈائری لکھتے رہیں ۔ جب نتیجہ سامنے آیا تو معلوم ہوا کہ وہ طالب علم جو تسلسل کے ساتھ ڈائری لکھتے رہے ، ان کا ڈپریشن اور ذہنی تناؤ کم تھا اور انہیں کسی معالج کے پاس جانے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔

غرض کہ ڈائری نویسی کے بے شمار فوائد ہیں ۔ تاریخ و تذکرہ اور سوانح نگاری میں ڈائری اہم دستاویزی حیثیت رکھتی ہے ۔ آج اس مٹتی روایت کو از سرِ نو زندہ کرنے کی ضرورت ہے ۔ دینی و ادبی حلقوں سے تعلق رکھنے والے با ذوق حضرات کو چاہیے کہ وہ جہاں مستقل بود و باش اختیار کیے ہوئے ہیں ، وہاں کے علمی ، ادبی اور سیاسی و تمدنی حالات قلم بند کرنے کے علاوہ اپنی روز مرہ زندگی میں پیش آنے والے واقعات ، عصری احوال اور مشہور علمی و ادبی و سماجی شخصیات سے اپنی پرسنل ملاقات کو ڈائری یا روزنامچہ کی شکل میں ضرور تحریر کریں ، تاکہ اردو نثر کی ایک اہم اور مفید قسم ادب کے زمرے سے ہمیشہ کے لیے ختم ہونے سے محفوظ رہ سکے ۔

❁❁❁

تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے موصول ہونا ضروری ہیں

کتاب:	معراج المومن فی اجتناب الغیبۃ [غیبت کی تباہ کاریاں]
مؤلف:	علامہ سید شاہ محمد حسنین رضا قادری رحمانی
صفحات:	38
سن اشاعت:	2017ء
ناشر:	الرحمن اسلامک تحقیقاتی فاؤنڈیشن، مدرسہ رحمانیہ خانقاہ کیری شریف بانکا بہار
مبصر:	محمد ساجد رضا مصباحی

بہار کی جن خانقاہوں نے علم و روحانیت کی آب یاری میں قابل ذکر کارنامے انجام دیے، ان میں خانقاہ رحمانیہ کیری شریف بھاگل پور کا نام بھی شامل ہے۔ خلیفہ و تلمیذ اعلیٰ حضرت مولانا عبد الرحمن بیتھوی علیہ الرحمہ اس خانقاہ کے بانی ہیں، جو اپنے عہد کے جید عالم و فاضل، جامع شرائط شیخ طریقت اور تصوف و روحانیت کے بلند مقام پر فائز تھے، آپ کے مقام و مرتبے کا اندازہ امام اہل سنت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ [1272ھ-1340ء] کے ان مبارک جملوں سے لگایا جا سکتا ہے جو آپ نے سندِ فراغت عطا فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:

ایھا الفاضل، الکامل، مرضی الخصائل، محمود الشمائل الرفع الشان، السمی المکان، مولانا السید محمد عبد الرحمن القادری البرکاتی ابن السید عبد القادر البیتھوی علمہ المولی القوی. [غیبت کی تباہ کاریاں، ٹائٹل کی پشت کا صفحہ]

بلاشبہہ امام اہل سنت کے یہ جملے آپ کی عظمتوں کی شہادت اور آپ ارفع و اعلیٰ مقام و مرتبے کو بیان کرنے کے لیے کافی ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب "غیبت کی تبادہ کاریاں" کے مولف اسی عبقری عالم و فاضل کے شہزادۂ والا تبار اور سچے خلف و جاں نشیں، شیخ طریقت حضرت علامہ سید شاہ محمد حسنین رضا قادری رحمانی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشیں خانقاہ رحمانیہ کیری شریف بانکا بہار ہیں، جن کا وصال پُر ملال اسی سال 22/ رمضان المبارک 1442ھ/5/ مئی 2021ء بروز چہار شنبہ ہوا ہے۔

شیخ طریقت حضرت علامہ سید شاہ حسنین رضا قادری رحمانی رحمۃ اللہ علیہ، علم وعمل کے پیکر، زہد و تقویٰ کے خوگر، بافیض شیخ طریقت، صوفیانہ فکر و مزاج کے حامل اور قحط الرجال کے اس دور میں بے مثال اور نایاب پیر طریقت تھے۔

عالم ربانی حضرت علامہ عبد المبین نعمانی دام ظلہ کے بقول:

"ایسے عالم باعمل اور پیران باصفا بہت کم ملتے ہیں، انھیں کم ملنے والوں میں صوفی باصفا، عالم باعمل، پیکر زہد و تقویٰ حضرت مولانا سید حسنین رضا قادری بھی تھے، ان کے جیسا پیر اور ان کے جیسا عالم اب مشکل سے ملے گا۔ ان کی ایک نمایاں خوبی یہ بھی تھی کہ نماز کے سخت پابند تھے، حتی کہ جماعت کے بھی، اذان سنتے ہی مسجد یا نماز گاہ میں حاضر ہو جاتے، وضو پہلے سے تیار رہتا، شاید ہمیشہ باوضو ہی رہتے تھے، ان کی آنکھوں میں شب بیداری کا خمار بھی دیکھنے کو ملتا تھا، چہرہ کشادہ بارونق ایسا کہ گویا رنگ و نور کا غازہ مل دیا گیا ہو، آنکھیں دبی جھکی، لیکن جب نگاہ اٹھا کر دیکھتے تو جاہ و جلال ٹپکتا، حاضرین پر ہیبت و قار چھا جاتا اور کبھی دل کی دنیا بدل جاتی۔" [تعزیتی بیان سے ایک اقتباس]

زیر تبصرہ کتاب دراصل مدرسہ خانقاہ رحمانیہ کیری شریف سے نکلنے والے سالنامہ "نور رحمن" کے لیے لکھا گیا ایک مبسوط مقالہ ہے جسے خانقاہ رحمانیہ کے موجودہ سجادہ نشیں اور مولف گرامی کے لائق و فائق شہزادے شیخ طریقت حضرت مولانا سید شاہد علی مصباحی

دام ظلہ العالی نے اِفادۂ عام کے لیے کتابی شکل میں شائع فرمایا ہے۔

کتاب کے ابتدائی صفحات میں کتاب اور صاحب کتاب کے حوالے سے حضرت عمران رضاخان بریلی شریف ، حضرت مفتی فیاض عالم اشرفی استاذ و مفتی جامعہ شاہ جنگی پیر ، بھاگل پور، حضرت مولانا حافظ عبدالجلیل نعیمی رضوی بانی وناظم اعلیٰ مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ خنجر پور، بھاگل پور کے قلبی تاثرات اور قیمتی کلمات شامل ہیں۔

غیبت کا مرض آج ہمارے سماج میں اس قدر رچ بس گیا ہے کہ ہماری اکثر محفلیں اس برائی کا شکار نظر آتی ہیں، اچھے خاصے پڑھے لکھے اور دینی تعلیم سے آراستہ افراد بھی اس وبا کے شکار نظر آتے ہیں، حالاں کہ قرآن کریم اور احادیث طیبہ میں اس کی سخت مذمت بیان کی گئی ہے، ہمارے سلف صالحین نے اس موضوع پر کئی اہم رسالے لکھے ہیں، تعلیمات تصوف پر مبنی اکثر کتب میں اس پر اہتمام کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ معاشرے کی اصلاح اور امت مسلمہ کو اس مرض ناسور سے بچانے کے لیے مولف گرامی نے اس کتاب میں بھی بڑے دل نشیں انداز میں غیبت کی تباہ کاریوں کو بیان فرمایا ہے۔

مولف گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس تالیف میں اولا قرآن کریم کی روشنی میں غیبت کی مذمت اور غیبت کی حرمت پر دل پذیر گفتگو فرمائی ہے ، پھر غیبت کے نقصانات کے حوالے سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی کو موضوع سخن بنایا ہے اور متعدّد احادیث کریمہ پیش فرماکر یہ واشگاف فرمادیا ہے کہ غیبت انتہائی ذلت بھرا کام ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم غیبت کو سخت ناپسند فرماتے تھے، آپ نے بارہا صحابۂ کرام کو اس عمل بد سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے اور اسے مردار کا گوشت کھانا قرار دیا۔

غیبت کے من جملہ نقصانات میں سے یہ بھی ہے کہ غیبت کر نے والے کا دل سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کا قلب نور ایمان سے خالی ہو جاتا ہے، اس کی عبادتیں بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت نہیں حاصل کر پاتیں، بعض اسلاف کی کتابوں میں ہے کہ غیبت کرنے والے کے لیے خطرہ ہے کہ اس کا ایمان پر خاتمہ نہ ہو۔ غیبت کے ان تمام مضرات کے حوالے سے اس کتاب میں احادیث کریمہ اور اقوال سلف صالحین پیش کیے گئے ہیں، اور قارئین کو جھنجھوڑ کر ان کی زندگی میں انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مولف کا ناصحانہ لہجہ ملاحظہ فرمائیں:

”ہر مومن ایک مومن کے عزت وناموس کا محافظ ہے، لیکن افسوس صد افسوس کہ آج اس دور آخر میں ایک مسلمان اپنے ایک مسلم بھائی کی آبروریزی و بے حرمتی میں ملوث نظر آتا ہے۔ اس کی غیبت وچغلیاں بیان کر کے بلا تکلف تہمت لگا کر متہم کی صفت سے موصوف ہوتا ہے، بلا عذر دل آزاری کا شکار ہو رہا ہے۔

عزیزو! حقوق العباد کا معاملہ عظیم نازک مرحلہ ہے ، عوام تو عوام خواص بھی غیبت ، چغلی کے مرض کے مریض نظر آتے ہیں ، کیوں کہ کسی مسلمان کی بلا عذر شرعی ہتک ، بے حرمتی اور دل آزاری خود دخول جہنم کا سبب بن سکتی ہے۔

مسلم معاشرے میں ایک بڑا مرض یہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ علما کی غیبت اور ان کی برائیاں بیان کرنے کی عادی ہو گئی ہے ، چوک ، چوراہوں اور ہوٹلوں میں بیٹھ کر کسی عالم دین کو موضوع سخن بنا لیا جاتا ہے ،اور اس بے چارے پر دل کھول کر الزام تراشیاں کی جاتی ہیں اور پیٹ بھر کر مردار کا گوشت کھایا جاتا ہے ، بعض موقعوں پر تو کفری جملے بھی بولے جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔

مولف گرامی شیخ طریقت مولانا سید شاہ حسنین رضا قادری رحمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس رسالے میں اس موضوع پر بھی تفصیل سے گفتگو فرمائی ہے اور علما کی غیبت ، ان کی تحقیر واہانت اور ان کی شان میں گستاخی وبد کلامی کا وبال واضح انداز میں بیان فرمایا ہے۔

آپ تحریر فرماتے ہیں:

”عام شخص اور عالم دین کی غیبت میں فرق عظیم ہے، چوں کہ عالم کی غیبت میں اہانت کا پہلو غالب رہتا ہے اور یہ تشویش ناک امر ہے ،امام اہل سنت حضور فاضل بریلوی فتاویٰ رضویہ جلد 129/21 میں تحریر فرماتے ہیں:

”[اول] عالم دین کی بہ حیثیت عالم توہین کرنا کفر صریح ہے ، [دوم] عالم دین کی بوجہ علم کے تعظیم فرض سمجھتا ہے لیکن اپنی دنیاوی خصومت اور نفسانی یلغار [حملہ] کے سبب بدی [برائی] کرتا ہے ، سخت فاسق ہے۔ [سوم] اور اگر کسی عالم سے رنج ، بغض ، حسد رکھتا ہے تو یہ مریض القلب ، خبیث الباطن کی علت ہے ، ایسے انسان کے کفر کا اندیشہ ہے۔“ [غیبت کی تباہ کاریاں، ص:28]

ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

اس دور حاضرہ میں یہ کہ کر فضا [ماحول] مسموم [زہریلا] کیا جارہا

ہے کہ اللہ جل شانہ کا فرمان ہے "الدین یسر" مولویوں نے دین کو مشکل بنادیا ہے، یہ جملہ توہین علما کی بنیاد پر کفر ہے، علمائے کرام رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں: الاستخفاف با الاشراف والعلما کفر "یعنی سادات اور علما کی تحقیر کفر ہے۔[غیبت کی تباہ کاریاں،ص:30]

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

"بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو عالم دین کے تعلق سے نفرت کی بیج بوتے ہیں، اور ایک جاہل کو عالم سے بہتر سمجھتے ہیں، تو اس طرح کا تصور کرنا[ایسا کہنا] بھی کفر ہے، بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو عالم کو اور طالب علم کو "غوک چاہ" یعنی کنویں کا مینڈک کہتے ہیں تو یہ کہنا بھی کفر کے دائرے میں آجاتا ہے، لوگ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ "مولوی لوگ کیا جانتے ہیں"، امام اہل سنت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم 244ر پر فرماتے ہیں کہ "ایسا کہنا کہ مولوی کیا جانتے ہیں کفر ہے" جب کہ تحقیر علما مقصود ہو۔"[غیبت کی تباہ کاریاں،ص:29]

غیبت، چغل خوری، بد زبانی اور سخت کلامی سے جہاں گناہوں کا دروازہ کھلتا ہے اور ماحول پراگندہ ہوتا ہے، آپسی تعلقات خراب ہوتے ہیں، انتشار وافتراق کا ماحول پیدا ہوتا ہے، دلوں میں کدورتیں پروان چڑھتی ہیں، نفرتوں کا بازار گرام ہوتا ہے وہیں شیریں کلامی، نرم خوئی، خوش گفتاری اور صبر وتحمل سے محبتوں کے پھول کھلتے ہیں، تعلقات خوش گوار ہوتے ہیں، دوریاں ختم ہوتی ہیں، قربتیں بڑھتی ہیں، ذہن ودماغ تر وتازہ ہوتے ہیں، افتراق وانتشار کا ماحول ختم ہوتا ہے اور ایک اچھا سماج ومعاشرہ تشکیل پاتا ہے، لیکن افسوس کہ آج ہمارے معاشرے سے خوش گفتاری اور نرم خوئی کے اوصاف عنقا ہوتے جارہے ہیں، بات بات پر تلخیاں پیدا ہوتی ہیں اور اچھا خاصا ماحول پراگندہ ہوجاتا ہے۔

اس رسالے میں مولف گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں غیبت کی تباہ کاریوں کو بیان فرمایا ہے وہیں انھوں نے خوش گفتاری اور شیریں کلامی کی برکتوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

آپ لکھتے ہیں: ایک معروف ومشہور تابعی بزرگ حضرت سیدنا مجاہد رحمۃ اللہ علیہ جن کا وصال پاک بہ حالت سجدہ ہوا تھا، آپ فرماتے ہیں کہ ایک مومن اپنے مومن بھائی کا تذکرہ خیر کے ساتھ کرتا ہے تو اس کے ہمراہی ملائکہ اس کے حق میں دعا فرماتے ہیں، اور جب کوئی اپنے مومن بھائی کی غیبت کرتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ تم نے اس کے راز کو افشا[ظاہر] کردیا، اب تو اپنے نفس میں غور وفکر کہ تو اپنے اندر کس قدر خامیاں رکھتا ہے، لیکن رب ذوالجلال اپنی صفت ستاری کے پیش نظر بے پناہ عیوب پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

مذکورہ تحریر سے آپ نے بخوبی اندازہ لگا لیا ہوگا کہ "شیریں کلامی" پر ملائکہ دعائے خیر سے نوازتے ہیں اور غیبت وچغل خوری کرنے ولے کو متنبہ کرتے ہیں،"[غیبت کی تباہ کاریاں،ص:31]

حاصل یہ کہ پورا رسالہ اصلاح وموعظت کے مواد سے پُر ہے، مولف گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مخصوص اسلوب اور سادہ لب ولہجے میں غیبت اور اس کے متعلقات پر روشنی ڈالی ہے، خاص طور سے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے ارشادات سے اپنے رسالے کو مزین فرمایا ہے، یقینا یہ رسالہ عوام وخواص کی اصلاح کے لیے تریاق کی حیثیت رکھتا ہے۔

خانقاہ رحمانیہ کے موجودہ سجادہ نشیں شہ زادۂ گرامی حضرت مولانا سید شاہ شاہد رضا قادری رحمانی مصباحی اپنے والد گرامی اور اپنے اسلاف کی علمی وروحانی وراثتوں کے سچے امین وپاسبان ہیں، علم وعمل اور اخلاق وکردار کی دولت لازوال سے مالا مال ہیں، جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں مجھے ان کی رفاقت کے کئی سال میسر آئے ہیں، انتہائی خلیق، نیک، پابند شریعت، کم گو، منکسر المزاج اور سادات کرام کے جملہ امتیازی اوصاف کے حامل ہیں، انہی کی کوششوں سے یہ رسالہ 2017ء میں منظر عام پر آیا تھا، معراج المومنین فی اجتناب الغیبۃ المعروف بہ "غیبت کی تباہ کاریاں" انہی کا منتخب کردہ نام ہے۔ لیکن اب جدید رنگ وآہنگ میں اس کی اشاعت کی ضرورت ہے۔

جدید اشاعت میں حوالوں کی تخریج، ضروری حواشی وتعلیقات کا اضافہ، کمپوزنگ کی غلطیوں کی اصلاح، رموز او قاف کی رعایت اور ابتدائی صفحات میں مولف گرامی کا مختصر اور جامع تعارف شامل ہوجائے تو رسالے کی افادیت مزید دوبالا ہوجائے گی اور اس کے معنوی وصوری حسن وجمال میں چار چاند لگ جائے گا۔

اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں اپنے بزرگوں کے علمی وروحانی فیضان سے مالا مال فرمائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔

❀❀❀

ادارۂ اشرفیہ مدینۃ العلوم، شعبۂ بنات، مہوا، گوال پوکھر، اتر دیناج پور، بنگال

جہاں کی خاک سے انسان بنائے جاتے ہیں

تعارف نگار: مفتی محمد ہاشم رضا مصباحی: استاذ دار العلوم غوث صمدانی واکانیر گجرات

سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور میں مدارس اسلامیہ کے تعارف کے لیے ایک کالم "آئینہ مدارس" کے نام سے خاص ہے، جس میں مدارس اہل سنت کا تعارف پیش کر کے ان کی دینی و علمی خدمات اجاگر کیے جاتے ہیں، بحمدہ تعالیٰ اب تک اس کالم میں 11/ مدارس اسلامیہ کا تعارف شائع ہو چکا ہے۔ ادارہ اشرفیہ مہوا، گوال پوکھر، اتر دیناج پور، بنگال کا ایک قدیم دینی و تعلیمی ادارہ ہے، جہاں ایک زمانے سے دینی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیا جا رہا ہے۔ اس علاقے میں قوم وملت کے نونہالوں کی تعلیم کے کثیر ادارے ہیں، لیکن اب تک بچیوں کی تعلیم و تربیت کا کوئی قابل ذکر ادارہ نہیں تھا، اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اسی کے علاقے کے ایک بلند عزم و حوصلے کے حامل درد مند عالم دین حضرت مولانا مفتی غلام مدنی اشرفی حفظہ اللہ نے بچیوں کی عمدہ تعلیم کے لیے ایک ادارے کے قیام کا منصوبہ بنایا، غور و فکر اور مشاورت کے بعد ادارہ اشرفیہ مہوا، گوال پوکھر، اتر دیناج پور کے شعبۂ بنات کے نام سے انھوں نے ایک عظیم الشان ادارے کی بنیاد ڈالی، شب و روز کی جد و جہد اور در در کی خاک چھان کر انہوں نے ادارے کو ترقی کی شاہراہ پر گام زن فرمایا، اس عمل میں ان کے رفقائے کار نے بھی ان کا مخلصانہ تعاون کیا، ادارے کا تعمیری کام جاری ہے، لیکن کئی سالوں سے تعلیم و تربیت کا سلسلہ بھی شروع ہے، ادارے کے نظم و نسق اور بانی ادارہ کی بے لوث مساعی کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے کہ مستقبل قریب میں یہ ادارہ ترقی کے بام عروج تک پہنچے گا اور اس علاقے میں بچیوں کی دینی تعلیم و تربیت کے حوالے سے ایک انقلاب بپا ہو گا۔ ہم سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور میں اس ادارے کا تعاف شائع کرتے ہوئے خوشی محسوس کر رہے ہیں۔ یہ تعارف مولانا محمد ہاشم رضا مصباحی دیناج پوری، استاذ دار العلوم غوث صمدانی واکانیر گجرات نے مرتب فرمایا ہے، مجلس ادارت کے ذمے دار افراد نے بذات خود بھی ادارے کا معائنہ فرمایا ہے۔ ہم ادارے کے روشن مستقبل کے لیے دعا گو ہیں۔ **محمد ساجد رضا مصباحی**

آج علاقہ گوال پوکھر، اتر دیناج پور، بنگال کے علما، فضلا، ائمہ اور خطبا مختلف میدانوں میں عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں اور اپنے علم و ہنر کا لوہا منوا رہے ہیں، ان کے دم قدم سے بہت سارے علمی گلستانوں کی شادابیاں برقرار ہیں، لیکن اس علاقے میں خواتینِ ملت کی تعلیمی زبوں حالی اور پسماندگی بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، حالاں کہ مذہب اسلام میں طلب علم کا حکم اور اس کی اہمیت وافادیت مرد و زن دونوں کے لیے یکساں ہے۔ لہٰذا وقت اور حالات کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے، قوم کی بچیوں کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لیے خلیفہ شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی غلام مدنی صاحب اشرفی دام ظلہ العالی کی سربراہی میں "اتر دیناج پور تنظیم اہل سنت و جماعت ٹرسٹ" کے زیرِ اہتمام 16/ صفر المظفر 1439ھ مطابق 5/ نومبر 2017ء کو **"ادارہ اشرفیہ مدینۃ العلوم"** کے وسیع رقبے میں ایک مدرسے کی بنیاد رکھی گئی، جسے اس قدیم ادارے کا ایک شعبہ قرار دیا گیا۔

ادارۂ اشرفیہ مدینۃ العلوم ایک پچاس سالہ قدیم ادارہ ہے، جس کے بانی رئیس المحققین شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی دامت برکاتہم القدسیہ ہیں۔ یہ مہوا گرام پنچایت میں دھولا بھیٹہ اور لال پوکھر کے قریب "اسلام پور" جانے والی سڑک سے متّصل واقع ہے اور اس کا شعبۂ بنات اس سے پورب جانب، روڈ سے کچھ فاصلے پر واقع ہے۔

اس مختصر تحریر میں صرف شعبۂ بنات کے بارے کچھ لکھنا ہے جو شعبہ بنین سے الگ "تنظیم اہل سنت و جماعت ٹرسٹ" کے زیر انتظام وانصرام چل رہا ہے۔

ادارہ اشرفیہ کا شعبۂ بنات لگ بھگ ڈیڑھ بیگھہ زمین پر قائم ہے، اس کی وسیع و عریض عمارت ایک ہاسٹل، درس گاہ، مطبخ اور لائبریری پر مشتمل ہے۔

ہاسٹل: یہ ایک دو منزلہ بلڈنگ ہے، اس کی ہر منزل نو نو کمروں پر مشتمل ہے، ہر منزل کے سامنے ایک ایک برآمدہ ہے جس کی لمبائی 130/فٹ اور چوڑائی 15/فٹ ہے، دوسری منزل ابھی زیر تعمیر ہے جب کہ پہلی منزل کو مکمل کرکے 3/ستمبر 2018ء سے تعلیم کا آغاز کر دیا گیا ہے، فی الحال ہاسٹل میں تقریباً 100/طالبات قیام پذیر ہیں جن کے کھانے پینے کا سارا انتظام مدرسے کے ذمے ہے۔

درس گاہ: یہ ایک کشادہ ہال ہے جس میں دن کو کلاس لگتی ہے اور رات کو اس میں بیٹھ کر بچیاں اسباق یاد کرتی ہیں، اس کے علاوہ اوقات نماز میں ادائیگی نماز کا کام بھی اس کے ذریعے لیا جاتا ہے۔

مستقبل کے منصوبے: ادارے کے حوالے سے اس کے سربراہ اعلیٰ حضرت مفتی غلام مدنی صاحب قبلہ اور دیگر اراکین و ممبران کے عزائم اور منصوبے بہت بلند ہیں۔ اسے پورے علاقے کا ایک مرکزی ادارہ بنانا اور مستقبل میں کم از کم ایک ہزار طالبات کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا ان کا اہم منصوبہ ہے۔ اراکین ادارہ اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مسلسل جد و جہد بھی کر رہے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج یہ ادارہ بہت قلیل مدت میں پورے علاقے کے لوگوں کا مرکز نظر بن گیا ہے اور دن بدن ترقی کرتا جارہا ہے۔ رب کریم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ یہ علمی چمن ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے کبھی بھی اسے خزاں کی نظر نہ لگے۔

معلمین، معلمات اور ملازمین کی تعداد: فی الحال ادارے میں معلمین، معلمات اور دیگر ملازمین کی تعداد 14/رہے، جو خلوص و للّٰہیت اور محنت و لگن کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں اور ہمہ دم اس کی ترقی کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔

معیار تعلیم: شعبۂ بنات میں ناظرہ سے فضیلت تک کی تعلیم کا بھرپور انتظام ہے، مگر چوں کہ ابھی یہ شعبہ ابتدائی دور میں ہے اور اعلیٰ درجات کی طالبات نہیں ہیں، اس لیے فی الحال رابعہ تک کی ہی تعلیم دی جارہی ہے، مگر جوں جوں اعلیٰ درجات کی بچیاں آتی جائیں گی، درجات میں بھی اضافہ کیا جائے گا۔

نصاب تعلیم: اچھی اور معیاری تعلیم و تربیت کا تعلق جس طرح ماہر اور مخلص اساتذہ سے ہے اسی طرح بہت حد تک عمدہ نظام اور نصاب سے بھی ہے، اچھا اور عمدہ نصاب تعلیم وہ ہے جو زمان و مکان کے موافق ہونے کے ساتھ تعلیمی ضرورتوں کو ہر اعتبار سے پورا کرنے والا ہو، ادارہ اشرفیہ مدینۃ العلوم مہوا شعبۂ بنات کے نصاب کی ترتیب میں مذکورہ باتوں کا خاص خیال رکھا گیا ہے اور حتی الوسع اس کو وقت اور حالات کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ طالبات کے لیے یہ مفید اور کارآمد ہو اور شعبہ کا معیار تعلیم بلند سے بلند تر ہو۔

اپیل: "ادارہ اشرفیہ مدینۃ العلوم مہوا شعبۂ بنات" بچیوں کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لیے گوال پوکھر اتر دیناج پور کا ایک بہترین ادارہ ہے، جہاں قوم کی شہزادیوں کو دینی تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے کا کام مکمل اخلاص کے ساتھ انجام دیا جارہا ہے ہمدردان قوم و ملت سے گزارش ہے کہ اس ادارے کو اپنے عطیات سے نواز کر علم دین کی ترویج و اشاعت میں مدد کریں۔

EDARAH ASHRAFIA MADINATUL ULOOM MAHUA SHUBA-E-BANAAT
P. O. BARBILLA P.S.GOALPOKHER
DIST. UTTER DINAJPUR W.B
PIN. 733210

ORGANIZED BY
UTTAR DINAJPUR TANZEEM -E- AHLE SUNNAT WA JAMAAT TRUST

A/C.NO. 37642965546
IFSCC CODE . SBIN0009039
Bank Name. STATE BANK OF INDIA

❁❁❁

پیغامات

رضاء الحق اشرفی مصباحی راج محلی، محمد راشد القادری مصباحی

سہ ماہی پیغام مصطفیٰ کے مضامین لائق مطالعہ ہیں

محب مکرم مولانا ساجد رضا مصباحی صاحب۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

عزیز القدر مولانا نوشاد عالم جامعی اشرفی کے توسط سے سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور کا جنوری تا مارچ 2021ء کا شمارہ حاصل ہوا۔ یادآوری و نوازش کا بہت بہت شکریہ، دور حاضر میں کوئی دینی رسالہ جاری کر کے اسے جاری رکھنا گویا پتھریلی زمین سے پانی نکالنا ہے۔ اس کارجواں مرداں پر آپ اور آپ کے رفقا کو دل کی گہرائیوں سے تہنیت پیش کرتا ہوں اور دعاگو ہوں کہ اللہ جل شانہ اسے دوام واستحکام بخشے اور مفید و مقبول خواص و عوام بنائے۔

مضامین سب اچھے ہیں۔ خصوصا اداریہ حالات حاضرہ کے مطابق ہے، جو مسلم معاشرے کو معاشی استحکام کے حصول کے لیے برانگیختہ کرتا ہے۔ اسلام میں تجارت کو جو اہمیت دی گئی ہے، قوم مسلم اس سے غافل ہے۔ علماے دین کو چاہیے کہ وہ بھی تجارت کو اپنا ذریعہ معاش بنائیں تاکہ وہ دین وسنیت کی بے لوث خدمت انجام دے سکیں۔ معاشی تنگی یا غیر پر انحصار فریضۂ احقاق حق وابطال باطل کی ادائیگی کی راہ میں سنگ گراں ہے۔

مولانا محمد سبحان رضا مصباحی کا مضمون "تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب" بڑا مثبت اور علمی ہے۔ "علامہ سید سلیمان اشرف بہاری کی ادبی قدر و منزلت" قدر و منزلت کا حامل ہے۔ صاحب مضمون مولانا طفیل احمد مصباحی کے اعلیٰ ادبی ذوق اور وسعت مطالعہ کا غماز ہے۔ عزیز القدر مولانا نوشاد عالم جامعی استاذ جامع اشرف کی تحریر "سہ ماہی پیغام مصطفیٰ کا تنقیدی مطالعہ" بھی قابل مطالعہ ہے۔ "دینی مذہبی اور ادبی کتب ورسائل کا تعارف" یہ سلسلہ بھی خوب ہے۔ امید ہے کہ تبصرے کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ سلسلہ مزید دراز ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دیدہ زیب سرورق کے ساتھ رسالے کے مضامین مفید اور لائق مطالعہ ہیں۔

خیر اندیش: رضاء الحق اشرفی مصباحی راج محلی

جامع اشرف کچھوچھہ شریف

☆☆☆

آئینۂ مدارس کا کالم بہت اہم ہے

محترم مدیر اعلیٰ سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سہ ماہی پیغام مصطفیٰ کے شمارے موصول ہو رہے ہیں، مضامین کے مطالعے سے ذہن و فکر کو بصیرت ملتی ہے، اتر دیناج پور کی سرزمین سے نکلنے والے اس رسالے کی خاص بات یہ ہے کہ اس کے مضامین اور کالمز میں تنوع ہے، فقہیات، ادبیات، اسلامیات، نظریات، ادبیات، شخصیات، اصلاحیات کے علاوہ نقد و نظر، تعارف مدارس، خیر وخبر وغیرہ کالم رسالے میں چار چاند لگاتے ہیں، مضامین میں زبان وبیان ادیبانہ اور اسلوب نگارش مصلحانہ ہوا کرتا ہے، کہیں سے محسوس نہیں ہوتا ہے کہ اس رسالے کی عمر دو ڈھائی سال ہے۔ اللہ تعالیٰ رسالے کو دوام واستحکام عطا فرمائے۔

آپ نے "آئینۂ مدارس" کے کالم میں اتر دیناج پور کے اہم مدارس کے تعارف کا جو سلسلہ شروع فرمایا ہے، وہ بہت ہی اہمیت کا حامل ہے، اگر اس سلسلے کو یوں ہی برقرار رکھا گیا تو مستقبل میں اتر دیناج پور کے مدارس اسلامیہ کی تاریخ مرتب کرنے والوں کے لیے یہ ایک خزانہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ رسالے کو عمر دراز عطا فرمائے۔

محمد راشد القادری مصباحی

استاذ دار العلوم غریب نواز داہوگنج، کشی نگر یوپی

❁❁❁

اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

امسال Covid -19 کی دوسری لہر کے دوران اہل سنت کے کئی جید علمائے کرام نے اس دنیا کو خیر باد کہا، خاص طور سے اتر دیناج پور کے کئی بڑے عالم دین اپنے آخری سفر پر روانہ ہوئے، یقیناً اس کثرت کے ساتھ علمائے کرام کا اس جہان فانی سے رخصت ہونا امت مسلمہ کے لیے بہت بڑا خسارہ ہے۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ جانے والا جاتا ہے اور اپنی جگہ خالی کر جاتا ہے، اب نہ تو وہ متبحر علما پیدا ہو رہے ہیں اور نہ ان کی کمی پوری ہو پارہی ہے۔ دنیا سے جانے والے ہر عالم دین کو ان کی خدمات اور کارناموں کے حوالے سے یاد کیا جاتا ہے، ان کا حسب ونسب، ان کا ظاہری حسن وجمال، ان کے دنیاوی عہدے اور مناصب، ان کا اثر ورسوخ، ان کی مالی پوزیشن ان کی پہچان نہیں بن پاتی، علم دین کی اشاعت، دعوتی وتبلیغی خدمات، عمدہ اخلاق وکردار ہی ان کی یادوں کو زندہ وتابندہ رکھنے کا داعیہ ہوتے ہیں۔ اس بار سہ ماہی پیغام مصطفیٰ اتر دیناج پور کے وفیات کے کالم کو ہم نے اتر دیناج پور کے ان علمائے کرام کے ذکر جمیل کے لیے خاص کیا ہے، جنھوں نے ادھر چند مہینوں کے اندر داغ مفارقت دے کر پورے علاقے کو غم زدہ کیا، جن کی رحلت سے اتر دیناج پور کی علمی فضا سوگوار ہوگئی، جن کے جانے کا غم ہر علم دوست فرد نے محسوس کیا، ان شاء اللہ ان نفوس قدسیہ کے تفصیلی حالات عن قریب شائع ہونے والے **"تذکرۂ علمائے اہل سنت اتر دیناج پور"** میں شامل ہوں گے۔ فی الحال کچھ اجمالی حالات پیش کیے جا رہے ہیں۔ **محمد ساجد رضا مصباحی**

استاذ العلما حضرت مولانا ظہیر الدین رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ [1955ء-2021ء]

محمد ساجد رضا مصباحی: نوری نگر کمات اتر دیناج پور، بنگال

جو بادہ کش تھے پرانے، وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی

استاذ العلما حضرت مولانا ظہیر الدین رضوی ایک وضع دار، مخلص، محنتی، جفاکش، فرض شناس اور باوقار عالم دین تھے، گوال پوکھر 2 [چاکلیہ] بلاک کے تحت واقع ایک دور افتادہ گاؤں کونہ آپ کا آبائی وطن تھا، آپ یہیں پیدا ہوئے اور اسی سرزمین پر پرورش پائی اور یہیں اپنی زندگی کے شب وروز گزار کر مورخہ 11/ رمضان المبارک 1442ھ مطابق 21/ اپریل 2021ء بروز چہار شنبہ شب ایک بجے کے قریب اپنے آخری سفر پر روانہ ہوئے، آدھار کارڈ کے مطابق آپ کی تاریخ پیدائش یکم فروری 1955ء ہے۔ آپ کے والد گرامی عالی جناب الحاج محمد دین صاحب مرحوم دین دار، پابند صوم وصلاۃ اور نیک طبیعت انسان تھے۔

استاذ العلما حضرت مولانا ظہیر الدین رضوی نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مدرسہ فیض عام کونہ ونوری نگر کمات میں حاصل کی اور اس زمانے کے کئی اساتذہ سے کسب فیض کیا، شیر بنگال حضرت علامہ الحاج شاہ غیاث الدین علیہ الرحمہ والرضوان آپ کے خاص استاذ ومربی تھے، ابتدائی تعلیم اور خاص طور پر فارسی زبان وادب میں مہارت حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے اتر پردیش کا

رُخ کیا، ان دنوں سلطان پور کا جامعہ عربیہ علم وفن کا مرکز تھا، مختلف فنون کے ماہر اساتذہ وہاں تدریسی خدمات پر مامور تھے، خواجہ علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ان دنوں یہیں اپنا علمی فیضان تقسیم فرما رہے تھے، حضرت مولانا عبد الجبار رضوی دام ظلہ العالی اتر املیہ [جو جامعہ عربیہ سلطان پور کے فارغ التحصیل اور آپ کے سینئر ساتھی ہیں] کے بیان کے مطابق حضرت مولانا ظہیر الدین رضوی بھی اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے سلطان پور پہنچے، جامعہ عربیہ میں رہ کر کئی سالوں تک خواجۂ علم وفن حضرت خواجہ مظفر حسین رضوی اور دیگر اساتذۂ کرام سے خوب خوب فیض اٹھایا، اور اسی ادارے سے 1979ء میں دستارِ فضیلت حاصل کی، لیکن آپ کے صاحب زادے حضرت حافظ سرفراز صاحب زید مجدہ نے حضرت کی سند فضیلت کا عکس مجھے بھیجا، جو بنارس کے معروف ادارہ جامعہ فاروقیہ کی ہے، اس سند کے مطابق آپ کی فراغت جامعہ فاروقیہ سے 1399ھ میں ہوئی، 1399ھ کا سن عیسوی سے تقابل کرنے پر 1979ء ہی آتا ہے، آپ کی سندِ فضیلت پر ہندوستان کے اجلۂ علما کی دستخط ہے، بحیثیت ممتحن محدث کبیر سلطان الاساتذہ حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری دام ظلہ العالی کی دستخط ہے، اور دستخط کی تاریخ 19/ شعبان المعظم 1399ھ ہے، ان کے علاوہ مصنف قانون شریعت حضرت علامہ شمس الدین جعفری جون پوری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اکابر علما کی دستخط بھی اس سند پر موجود ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ عرصے حضرت نے جامعہ فاروقیہ میں بھی تعلیم حاصل کی ہو اور دستار بندی جامعہ عربیہ اور جامعہ فاروقیہ دونوں جگہ سے ہوئی ہو۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنے علاقے ہی کو اپنی دینی و تدریسی خدمات کا مرکز بنایا اور تقریباً چالیس سال تک اتر دیناج پور کے مختلف اداروں کے مسند تدریس کو زینت بخشتے رہے، آپ کی تدریسی زندگی کے بیش تر ایام دار العلوم فیض عام کونہ و نوری نگر کمات اور دار العلوم معدنِ خیرات بھلکار باڑی علاقہ گوال پوکھر اتر دیناج پور میں گزرے، ان دونوں اداروں سے آپ کے کثیر تلامذہ پیدا ہوئے، دار العلوم فیض عام کی ایک زمانے تک آپ نے صدارت و قیادت فرمائی، وہ دور دار العلوم فیض عام کا سنہرا دور کہلاتا ہے، آپ نے اپنی بے لوث خدمات اور شب و روز کی محنت و جتن کے ذریعہ ادارے کا تعلیمی معیار اس قدر بلند فرما دیا تھا کہ خالص دیہی علاقہ ہونے کے باوجود دُور دراز کے طلبہ یہاں تعلیم حاصل کرنے آتے تھے، ہاسٹل میں کافی تعداد میں طلبہ رہا کرتے تھے، ہاسٹل میں قیام و طعام اور تعلیم و تربیت کا بڑا عمدہ نظم و نسق قائم فرمایا تھا، کئی اساتذہ بھی ہاسٹل میں قیام فرماتے تھے اور طلبہ کو دیر رات تک اسباق یاد کراتے تھے، اس زمانے میں جن طلبہ نے آپ کی درس گاہ سے کسب فیض کیا ان میں اکثر جید عالم و فاضل ہوئے اور بڑے بڑے دینی و دنیاوی عہدوں پر فائز ہوئے، یقیناً آپ کے تلامذہ کی کامیابی میں آپ کی عمدہ تربیت کا خصوصی رول رہا ہے۔ دار العلوم فیض عام میں آپ کی درس گاہ سے کسبِ فیض کرنے والے ہزاروں کی تعداد میں ہیں، یہاں آپ کے چند معروف تلامذہ کے اسما ذکر کیے جاتے ہیں:

● حضرت مولانا شکیل انور مصباحی نوری نگر کمات، استاذ دار العلوم محمود الاسلام پر بھاس پاٹن گجرات ● حضرت مولانا محمد اسمٰعیل رضوی، نوری نگر کمات ● حضرت مولانا احمد رضا قادری نوری نگر کمات، استاذ دار العلوم افضل المدارس الہ آباد ● حضرت مولانا شمس الدین رضوی مکھان پوکھر، استاذ مدرسہ گلشن رضا سید العلوم رحمن نگر کونہ ● حضرت حافظ مختار احمد مرحوم مکھان پوکھر ● حضرت مولانا عبد الغفار صاحب کونہ ● حضرت مولانا نوشاد عالم مصباحی سانور مقیم راجستھان ● حضرت حافظ محبوب عالم صاحب سانور ● مولانا عبد القیوم ٹھوٹھی پاکھر ● حضرت مولانا شاکر رضا نظامی نوری نگر کمات، استاذ مدرسہ تعلیم الاسلام پھول پور الہ آباد ● حضرت مولانا تاجر رضا کونہ ● حضرت مولانا توصیف رضا نظامی کونہ ● حضرت مولانا شعیب صاحب گوالڈوب ● حضرت مولانا شکیل اختر صاحب گوالڈوب ● حضرت مولانا غلام مصطفیٰ رضوی ڈانگی پارہ ● حضرت مولانا شمیم اختر صاحب برسال پور ● حضرت مولانا عظمت رضا نظامی نوری نگر کمات ● حضرت مولانا شبیر عالم ثقافی نوری نگر کمات ● حضرت مولانا معراج عالم صاحب نوری نگر کمات ● حضرت مولانا محفوظ عالم صاحب نوری نگر کمات ● حضرت مولانا ظہور عالم مصباحی

نوری نگر کمات● مولانا سبحان رضا مصباحی نوری نگر کمات● حضرت مولانا تبریز عالم مصباحی نوری نگر کمات● راقم محمد ساجد رضا مصباحی۔

دارالعلوم فیض عام میں ان کی درس گاہ سے باضابطہ علم حاصل کرنے والوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ان سارے علماے کرام نے اسّی کی دہائی کے اواخر اور نوّے کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں آپ کی درس گاہ میں زانوے تلمذ تہ کیا ہے۔

استاذ العلما حضرت مولانا ظہیر الدین رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک طویل عرصے تک دارالعلوم معدن خیرات بھلکا باڑی علاقہ گوال پوکھر اتر دیناج پور میں بھی تدریسی فرائض انجام دیے، ظاہر ہے کہ اس ادارے سے کسب فیض کرنے والوں کی بھی تعداد ہزاروں میں ہوگی، اگر گوال پوکھر سے تعلق رکھنے والا ان کا کوئی شاگرد ان کے معروف تلامذہ کی فہرست تیار کردے تو یہ ایک اہم کام ہوگا، اور آپ کا سوانحی خاکے میں رنگ بھرنا آسان ہوجائے گا۔

استاذ العلما حضرت مولانا ظہیر الدین رضوی علیہ الرحمہ نے درج ذیل اداروں میں تدریسی فرائض انجام دیے:

- دارالعلوم فیض عام کونہ و نوری نگر کمات، ضلع اتر دیناج پور، بنگال
- دارالعلوم معدن خیران بھلکا باڑی، گوال پوکھر اتر دیناج پور، بنگال
- جامعہ چشتیہ کھگڑا، ضلع کشن گنج، بہار
- دارالعلوم غریب نواز شیشہ باڑی ہاٹ، ضلع اتر دیناج پور، بنگال
- مدرسہ مصطفائیہ قادریہ، رضا نگر ڈانگی پارہ، ضلع اتر دیناج پور، بنگال

آپ جہاں بھی رہے، اپنی امتیازی شان کے ساتھ رہے، مکمل اخلاص کے ساتھ تدریس کے فرائض انجام دیے اور ادارے کی تعمیر و ترقی کے لیے جدوجہد فرمائی۔ دارالعلوم معدن خیرات بھلکا باڑی کے ارباب حل و عقد آپ کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے، بلکہ گوال پوکھر کا پورا علاقہ آپ کا جاں نثار تھا، آپ کی دیانت، آپ کا اخلاص، آپ کی جدوجہد اور آپ کی سادگی لوگوں کے لیے کشش کا باعث تھی، آپ کے آبائی گاؤں کونہ سے بھلکا باڑی کا فاصلہ بیس پچیس کیلو میٹر کا ہے، آپ اس فاصلے کو سائیکل سے ہی طے کرتے تھے، وقت کے سخت پابند تھے، جب بھی گھر تشریف لاتے تو مدرسہ وقت پر واپس ہوتے، سخت دھوپ اور کڑاکے کی سردی میں بھی آپ وقت پر مدرسہ پہنچتے، میں نے بارہا انھیں پسینے میں شرابور تیز سائیکل چلاکر دیبی گنج ہاٹ سے گزرتے دیکھا ہے۔ راقم الحروف 1998ء سے 2016ء تک اکثر رمضان المبارک کا نصف اول تراویح کے لیے دیبی گنج میں گزارتا، اکثر دیکھتا کہ روزے کی حالت میں بھی آپ سائیکل چلا کر بھلکا باڑی پہنچتے، کبھی کبھی مولانا شیر محمد صاحب خطیب و امام جامع مسجد دیبی گنج کے کتب خانے میں تھوڑی دیر کے لیے رکتے، میں دست بوسی کے لیے حاضر ہوتا تو مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوتے، دعاؤں سے نوازتے، خیر خیریت دریافت فرماتے، پھر گھریا بھلکا باڑی کے لیے روانہ ہوجاتے۔ سچ یہ ہے کہ آپ نے زندگی بھر مشقتیں جھیلیں، مصائب و آلام برداشت کیے، نامساعد حالات کا مقابلہ کیا، اپنے بچوں اور بچیوں کی بہتر تربیت کے لیے مسلسل تگ و دو فرماتے رہے، لیکن کبھی بھی ناہموار حالات کا شکوہ نہیں کیا، آپ ہمیشہ پُر سکون نظر آتے، سنجیدہ رہتے اور صبر و شکر کا مظاہرہ فرماتے۔

شیر بنگال علامہ غیاث الدین علیہ الرحمہ کا 1991ء میں وصال ہوگیا، آپ اس علاقے میں مرجع کی حیثیت رکھتے تھے، دینی مسائل سے لے کر تعویذات تک ہر معاملے میں لوگ آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، دارالعلوم فیض عام کی عید گاہ جو کونہ اور رحمن نگر کی مشترکہ عید گاہ ہے، اس کی امامت بھی حضرت شیر بنگال ہی فرماتے تھے، آپ کے وصال کے بعد یہ ساری ذمے داریاں حضرت مولانا ظہیر الدین رضوی علیہ الرحمہ کے سپرد ہوگئیں، آپ جب تک باحیات رہے، عید گاہ کے امام رہے، کونہ و نوری نگر کمات اور قرب و جوار کے قریات کے مرجع عوام و خواص رہے، آس پاس کے جتنے ادارے ہیں اکثر اداروں کے اجلاس کی سرپرستی اور صدارت آپ ہی فرمایا کرتے

تھے ،لوگ محبت سے محافل میلاد اور دیگر دینی تقریبات میں آپ کو بلایا کرتے اور آپ بغیر کسی حیلہ حوالہ کے بہت ہی سادگی کے ساتھ تشریف لے جاتے ، اونچی آواز کے مالک تھے ، آسان لب و لہجے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں خطاب فرمایا کرتے تھے ، اکثر دوران تقریر ترنم کے ساتھ اشعار بھی پڑھا کرتے تھے ، آپ کا سادگی بھرا لب و لہجہ دلوں کو بھاتا تھا اور لوگ محو ہو کر سنتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے اندر بڑی خوبیاں ودیعت فرمائی تھیں ، بظاہر سادگی پسند تھے ، لیکن آپ کا رعب دلوں پر بیٹھ جاتا تھا ، بچپن میں جب آپ ہمارے گاؤں سے گزرتے تو بچے شور کرتے کہ "بڑے مولانا صاحب" آرہے ہیں ، سارے بچے کھیل کود چھوڑ کر کنارے لگ جاتے ، جب تک آپ گزر نہیں جاتے سناٹا چھایا رہتا ، آپ اکثر ناراض نہیں ہوتے تھے ، لیکن جب کبھی ناراض ہوتے تھے تو آپ کے جلال کے سامنے کسی کو ٹکنے کی ہمت نہیں ہوتی ، یعنی جلال و جمال دونوں کا ایک الگ ہی رنگ ہوا کرتا تھا ، آپ اکثر گرد و پیش کے حالات اور اپنی قوم کی بے راہ روی پر نالاں رہا کرتے تھے ، دراصل عوام کا ایک طبقہ علما کو اپنا ماتحت سمجھ کر ان سے کچھ ایسی توقعات وابستہ کر لیتا ہے ، جن کا پورا کرنا کسی دین دار عالم کے لیے ممکن ہی نہیں ، ایسے لوگ جب اپنا منشا پورا ہوتا نہیں دیکھتے تو علما پر دشنام طرازیاں شروع کر دیتے ہیں ، ایسے لوگ ہر گاؤں اور ہر آبادی میں پائے جاتے ہیں ، اب علما کی ذمے داری ہے کہ ایسے لوگوں کی کاسہ لیسی کی بجائے مکمل استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنا اور اپنے علما کے وقار کے تحفظ کا سامان کریں ، حضرت مولانا ظہیر الدین رضوی رحمۃ اللہ علیہ ایک درد مند اور مخلص عالم دین تھے ، انھوں نے ایک زمانے تک ان حالات کا مقابلہ کیا اور اخیر عمر تک ان حالات سے نبرد آزما رہے۔

حضرت مولانا ظہیر الدین رضوی دام ظلہ العالی میرے اولین اساتذہ میں تھے ، اور وہ میرے والد گرامی جناب محمد حسین رضوی دام ظلہ کے ہم درس تھے ، اس لحاظ سے مجھ پر ان کی خصوصی نوازشات تھیں ، دار العلوم فیض عام سے لے کر جامعہ اشرفیہ مبارک پور تک کا سفر طے کرنے میں ہمیشہ انھیں ایک سرپرست کی طرح پایا ، جب بھی ان کے دولت کدے پر ملاقات کے لیے حاضر ہوتا اور اپنی تعلیمی سرگرمیوں سے آگاہ کرتا تو مسرت کے آثار ان کے چہرے پر نمایاں ہو جاتے ، دعاؤں سے نوازتے اور بغیر چائے نوشی کے واپس نہیں ہونے دیتے۔ ہر سال عید کے دن والد گرامی دام ظلہ سے ملاقات کے لیے ضرور تشریف لاتے ، دیر تک والد گرامی سے گفتگو کرتے ، حال احوال دریافت فرماتے ، عید کی مبارک بادی پیش کرتے ، یہ ان کا معمول تھا ، جو آخری عمر تک جاری رہا۔

سچ یہ ہے کہ آج اپنے ایک مشفق استاذ اور علاقے کے ایک مخلص عالم دین کی یادیں سمیٹنے بیٹھا ہوں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں سے شروع کروں ، اور کہاں ختم کروں ، ذہن و دماغ پر یادوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے ، ماضی کے جھروکوں سے ان کی شخصیت کے کئی جلوے دل کی نگاہوں کو خیرہ کر رہے ہیں ، پردۂ ذہن پر ایک ایک منظر ابھر رہا ہے ، لیکن ان مناظر کو صفحۂ قرطاس پر اتارنے کے لیے یہ مختصر تحریر نا کافی ہے۔

مختصر علالت کے بعد رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں استاذی الکریم حضرت مولانا ظہیر الدین رضوی خلد آشیاں ہوئے ، 11 ر رمضان المبارک 1442ھ کی شب ایک بجے فون کے ذریعہ محب گرامی قدر حضرت مولانا شمس الدین رضوی مکھان پوکھر نے اطلاع دی کہ حضور استاذ العلما کا وصال پُر ملال ہو گیا ، کلمات استرجاع پڑھا ، والد گرامی دام ظلہ کو اس کی اطلاع دی تو آبدیدہ ہو گئے اور اپنے بچپن کی رفاقتوں کو یاد کر کے رات بھر نہیں سو سکے ، سوشل میڈیا کے ذریعہ آپ کے وصال کی خبر ملک و بیرون ملک تک پہنچ چکی تھی ، پورا علاقہ سوگوار تھا ، حضرت کے صاحب زادگان حیدر آباد اور سورت گجرات میں تھے ، ان کی آمد کے انتظار میں جنازہ کا وقت بعد نماز عصر متعیّن کیا گیا ، دن بھر قرب و جوار اور دور دارز کے علمائے کرام اور عوام اہل سنت کے قافلے آخری دیدار کے لیے آتے جاتے رہے ، رمضان کا مہینہ ہونے کی وجہ سے سب کی خواہش تھی کہ افطار سے کچھ پہلے ہی تدفین سے فراغت ہو جائے ، بعد نماز عصر دار العلوم فیض عام کے وسیع احاطے میں آپ کا جنازہ رکھا گیا ، پورا میدان کھچا کھچ بھرا ہوا تھا ، کثیر تعداد میں علمائے اہل سنت بھی شریک جنازہ تھے ، راقم نے حضرت کی حیات

وخدمات پر مختصر روشنی ڈالی، معروف عالم دین حضرت علامہ مفتی محمد ذوالفقار علی رشیدی مصباحی دام ظلہ العالی نے نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت شیر بنگال علامہ غیاث الدین علیہ الرحمہ کے مزار مبارک سے متّصل مشرق کی جانب تدفین عمل میں آئی۔ اللہ جل شانہ ان کے قبر انور پر رحمت وانوار کی بارشیں برسائے۔ آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین۔

مورخہ 13/ رمضان المبارک 1442ھ مطابق 26/ اپریل 2021ء کو دارالعلوم فیض عام کونہ ونوری نگر کمات میں تعزیتی نششت اور محفل ایصال ثواب کا اہتمام ہوا، جس میں کثیر تعداد مین علماے کرام اور عوام اہل سنت نے شرکت فرمائی، حضرت مولانا مظفر حسین رضوی، حضرت مولانا اسمٰعیل رضوی، حضرت مولانا شمس الدین رضوی، حضرت مولانا شاکر رضا نظامی اور حضرت مولانا نور محمد رضوی وغیرہ نے اس محفل تعزیت کے اہتمام میں خصوصی کردار ادا کیا۔

آہ! حضرت مولانا شاہ ولی محمد اشرفی، نور اللہ مرقدہ

مفتی صابر رضا محب القادری: القلم فاؤنڈیشن، پٹنہ

ہمارے دیار کے بزرگ عالم دین، ماہر درسیات، نمونۂ اسلاف حضرت مولانا شاہ ولی محمد اشرفی علیہ الرحمہ، ساکن شکّر، آسورہ گڑھ، تھانہ دالکولہ، اتر دیناج پور، بنگال 5/ ذی قعدہ 1442ھ مطابق 15/ جون 2021ء کو مختصر علالت کے بعد راہی خلد نعیم ہوگئے۔ اناللہ و انا الیہ رٰجعون۔

ایک اندازے کے مطابق سن ولادت 1948ء ہے، ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں، متوسطات جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف اور اعلیٰ تعلیم جامعہ نعیمیہ مرادآباد سے حاصل کی، اور اسی چمن صدرالافاضل میں رہ کر دستارِ علم وفضل سے نوازے گئے۔ سن فراغت 1971ء ہے۔

خدمات اور کارنامے:

فراغت کے بعد اپنے پیر ومرشد شیخ الاسلام حضرت علامہ سید مدنی میاں صاحب قبلہ دام ظلہ کے حکم پر ہبلی کرناٹک کے مرکزی ادارہ "مدنی میاں عربک کالج" تشریف لے گئے اور وہیں سے آپ نے تدریس کا آغاز فرمایا، پھر دارالعلوم اہل سنت جبل پور میں مسند تدریس کو زینت بخشا، دو تین سال تک وہاں رہے پھر جلپائی گوڑی دار جلنگ کے لوگوں کی پیہم اصرار پر جلپائی گوڑی جلوہ گر ہوئے۔ یہاں آپ نے تدریس اور امامت وخطابت سے ساکنان جلپائی گوڑی کی دینی وملی رہ نمائی فرمائی، یہاں کے فرق ضالہ کی ناپاک کوششوں کو ناکام کیا اور ان کے مکر وفریب سے لوگوں کو بچایا، اس دوران مشکلات، سخت ترین مراحل اور صبر آزما حالات سے بھی گزرنا پڑا، مگر آپ نے ان سب پر صبر ورضا کا مظاہرہ فرمایا، جلپائی گوڑی کے دورانِ قیام بدعقیدوں نے پان میں زہر دے کر آپ کو مارنا چاہا تھا، لیکن الحمدللہ زہر کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

آپ کی تعلیم وتدریس اور تبلیغ واشاعتِ دین کا دائرہ بڑا وسیع ہے، ملک عزیز کے بہت سے خطوں میں جاکر آپ نے عوام وخواص کو فیضیاب فرمایا ہے۔ 1976ء کو دارالعلوم غریب نواز الہ آباد یوپی پہنچ کر آپ نے بساط تدریس دراز فرمایا۔ 1980ء میں دارالعلوم حنفیہ سنیہ مالیگاؤں میں اپنے استاذ، زینت الاتقیا حضرت مفتی زین الدین اشرفی علیہ الرحمہ کی موجودگی میں نائب شیخ الحدیث کی حیثیت سے تین سال تک تدریس کا فریضہ انجام دیا۔ اسی شہر مالیگاؤں کے دارالعلوم عظمت مصطفیٰ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے منتہی درجات کی کتابیں پڑھاتے رہے۔ پھر ایک سال کے لیے جامعہ رشیدیہ تنویر الاسلام ناگ پور جاکر منصب صدارت سنبھالا اور جامعہ کو عروج بخشا۔ بانی ادارہ بابائے قوم وملت حضرت مولانا سید شاہ صوفی تنویر اشرف علیہ الرحمہ کے حکم سے آپ نے دارالعلوم اہل سنت جبل پور کا سفر فرمایا۔ اس وقت دارالعلوم اہل سنت کے شیخ الحدیث جلالۃ العلم حضرت مفتی عبدالجلیل نعیمی پورنوی علیہ الرحمہ تھے، ان کی موجودگی میں آپ نائب شیخ الحدیث ہوئے۔ پھر 2005ء میں دارالعلوم عظمت مصطفیٰ مالیگاؤں تشریف لے گئے اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔

عمر کے آخری مرحلے میں جب کہ طبیعت ناساز چل رہی تھی، ہمارے علاقے کے ایک جید اور معتمد عالم دین حضرت مولانا مفتی غلام مدنی صاحب قبلہ کی خواہش پر آپ نے ان کے قائم کردہ ادارہ ''ادارہ اشرفیہ مدینۃ العلوم، شعبہ بنات ''مہوا گوال پوکھر، اتر دیناج پور پہنچے، یہاں تدریس و تعلیم اور تربیت کے ساتھ ساتھ ادارہ کی تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں کے عوام و خواص نے قلبی انسیت و محبت کا مظاہرہ اور آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے ادارہ سے متّصل آپ کے لیے آخری آرام گاہ منتخب کیا اور آپ ہمیشہ کے لیے وہیں آسودہ خاک ہوئے۔

حضرت کی فراغت سے لے کر وفات تک کا زمانہ نصف صدی پر محیط ہے اور یہ پورا زمانہ خدمت خلق، درس و تدریس اور تعلیم و تربیت ہی سے عبارت ہے۔ آپ کے صاحب زادے مولانا افروز جامعی صاحب کے بقول فراغت کے بعد حضرت کی زندگی کا ایک لمبا عرصہ پیلی بھیت شریف میں گزرا ہے۔ تدریس و امامت اور خطابت اور پھر پیلی بھیت کے مضافات میں جاکر لوگوں کی اصلاح کرنا انہیں دین کی جانب مائل کرنا یہ ان کی امتیازی خصوصیت تھی اور آج بھی وہاں کے کثیر علما طلبہ آپ کے گرویدہ ہیں۔

بیعت و خلافت:

آپ شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ سید مدنی میاں دامت برکاتہم کے مرید اور ان کے ارشد خلفا میں سے تھے۔

اساتذہ:

عمدۃ المحققین حضرت علامہ مفتی حبیب اللہ نعیمی علیہ الرحمہ۔ حضرت علامہ شیخ طریق اللہ شاہدی علیہ الرحمہ۔ زینت الاتقیا حضرت مفتی زین الدین علیہ الرحمہ۔ مفتی اعظم مرادآباد حضرت مفتی ایوب خان نعیمی مدظلہ جیسی عبقری شخصیات سے آپ نے استفادہ کیا۔

تلامذہ

تلامذہ سیکڑوں کی تعداد میں ہیں، جامع اشرف کچھوچھہ شریف کے استاذ حضرت مولانا قاری ہارون صاحب، حضرت مولانا جابر اختر صاحب آپ کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ بنگال بستہ ڈانگی کے مولانا فہیم مصباحی صاحب حضرت مولانا شمس الہدی پورنوی صاحب بھی آپ کے شاگردوں میں ہیں۔

تواضع

آپ کی شخصیت تواضع وانکساری کا مرقع تھی، طبیعت میں سادگی، قناعت اور استغنا کا عنصر کامل طور پر موجود تھا، حق گوئی و بے باکی، عالمانہ جلال اور عارفانہ وقار سے آپ پہچانے جاتے تھے، راقم کی بارہا ملاقات رہی، جب کبھی اور جہاں کہیں ملاقات ہوتی مسکراکر ملتے، شفقت و محبت کے لہجے میں گویا ہوتے، بزرگوں کا ذکر جمیل چھیڑتے، اچھی نصیحت فرماتے۔

مشرباً اشرفی تھے، لیکن کچھوچھہ بریلی سمیت تمام دینی و مذہبی اور روحانی خانوادہ کے بزرگوں کا احترام کرتے تھے، ادب سے ان کا نام لیتے اور اتحاد کا پیغام دیتے۔ افسوس آج وہ ہمارے درمیان نہیں رہے۔ ان کا وصال امت مسلمہ بالخصوص اہل سیمانچل کے لیے ایک بڑا علمی و روحانی خسارہ ہے۔ راقم نے یہ چند سطور برادر محترم حضرت مفتی غلام محمد ہاشمی مصباحی صاحب زید مجدہ کے حکم سے قلم بند کرنے کی جسارت کی ہے۔ یہ ایک مختصر اجمالی خاکہ ہے، اللہ کرے ان کے صاحبزادے مولانا افروز جامعی صاحب یا ان کا کوئی وفادار شاگرد از خود اٹھے اور اس کام کو انجام دے یا پھر کسی صاحب علم و قلم سے یہ کام کرالیں تو ایک بڑا کام ہوجائے گا اور حضرت کی روح بھی خوش ہوگی۔

رب قدیر اپنے حبیب ﷺ کے طفیل ان کے درجات کو رفیع سے رفیع تر فرمائے اور ان کے تمام پس ماندگان و لواحقین کو صبر و شکیب عطا فرمائے آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

منشی محمد عظیم الدین اپنے عہد کے بافیض اور مشفق استاذ تھے

حضرت مولانا محمد شکیل انور مصباحی: نوری نگر کمات اتر دیناج پور، بنگال

مورخہ 22/ ذی قعدۃ الحرام 1442ھ مطابق 4/ جولائی 2021ء یہ غم ناک خبر موصول ہوئی کہ عالی جناب منشی محمد عظیم الدین صاحب ساکن بالیچر علاقہ گوال پوکھر اتر دیناج پور بنگال کا ئی دنوں کی علالت کے بعد انتقال پُرملال ہوگیا، انا للہ و انا الیہ رٰجعون، آپ کے انتقال سے فارسی کے قدیم اساتذہ کی ایک کڑی ٹوٹ گئی، اور سیکڑوں تلامذہ اپنے مشفق استاذ کی شفقتوں سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے۔

آپ نے چار دہائی سے زائد عرصے تک اتر دیناج پور کے مختلف اداروں میں تدریس کے فرائض انجام دیے، فارسی اور دینیات کی ابتدائی کتابیں بڑی لگن کے ساتھ پڑھاتے تھے، تدریس میں محنت و لگن اور یک سوئی ان کا خاص وصف تھا، وہ اپنے تلامذہ پر بڑے مشفق تھے، ان کی درس گاہ سے کسبِ فیض کرنے والوں میں کثیر علمائے کرام ہندوستان کی اہم دینی درس گاہوں میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو کر خدمت علم دین میں مصروف ہیں۔

اَسّی [80] کی دہائی کے اواخر میں انھوں نے کئی سالوں تک دارالعلوم فیض عام کونہ و نوری نگر کمات میں تدریسی خدمات انجام دیں، یہ دارالعلوم فیض عام کا زرین دور تھا، مختلف علاقوں کے طلبہ یہاں ہاسٹل میں رہ کر تعلیم حاصل کرتے تھے، مخلص اساتذہ کی ایک مضبوط ٹیم یہاں فیضانِ علم تقسیم کر رہی تھی، اس دور میں دارالعلوم فیض عام میں تعلیم حاصل کرنے والے اکثر حضرات آج اپنے اپنے میدان میں کام یاب ہیں، اور ہندوستان کی بڑی بڑی درس گاہوں سے منسلک ہیں، اسی زمانے میں مجھے آپ سے فارسی کی کئی اہم کتابیں پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، جن میں گلستانِ سعدی، مالابد منہ اور اخلاق محسنی خاص طور سے قابل ذکر ہیں، آپ بہت محنت سے پڑھاتے اور محبت کے ساتھ سمجھاتے تھے۔ مجھے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے اتر پردیش بھیجنے میں ان کا خاص رول تھا، رشتے میں وہ میرے برادر کبیر جناب محمد حسین رضوی کے ہم زلف تھے، انھوں نے ہی برادرِ گرامی کو مجھے اتر پردیش بھیجنے پر آمادہ کیا تھا۔

تعلیم کے دوران یا فراغت کے بعد جب بھی ملتا، بہت خوش ہوتے، خیر خیریت دریافت کرتے، دعائیں دیتے، یقیناً ایسے مشفق اساتذہ بہت ہی کم یاب ہوتے ہیں۔ آج ان کی رحلت سے دل غم زدہ ہے، آنکھیں پُرنم ہیں اور سارا وجود ان کے احسانات سے زیر بار ہے، اب ہم بھیگی پلکوں کے ساتھ ان کے لیے دعاے مغفرت ہی کر سکتے ہیں، آج بعد نماز عصر آپ کے ایصال ثواب کے لیے ہمارے ادارہ دارالعلوم محمود الاسلام پربھاس پاٹن، ضلع گیر سوم ناتھ گجرات میں قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اللہ جل شانہ ان کی مغفرت فرمائے، ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد شکیل انور مصباحی

استاذ دارالعلوم محمود الاسلام پربھاس پاٹن، ضلع گیر سوم ناتھ گجرات

متوطن: نوری نگر کمات، اتر دیناج پور، بنگال

مورخہ 22/ ذی قعدۃ الحرام 1442ھ/ 4/ جولائی 2021ء

مولانا غلام سید اشرفی نور اللہ مرقدہ کی رحلت

مولانا شارب ضیا رضوی مصباحی: رکن آئینۂ ہند اکیڈمی، ضلع اتر دیناج پور، بنگال

حضرت مولانا غلام سید اشرفی علیہ الرحمہ علاقہ چلیہ کے شبرام پور گاؤں کے رہنے والے تھے، موصوف مرحوم نہایت ہی شریف الطبع اور منکسر المزاج تھے، حضرت مولانا مجاہد حسین مصباحی دیناج پوری مقیم حال کرناٹک کی زبانی معلوم ہوا کہ مولانا مرحوم نیک طبیعت، خوش اخلاق اور سنت وشریعت کے پابند تھے، آپ مشرباً اشرفی یعنی سرکار کلاں حضرت علامہ سید مختار اشرف صاحب قبلہ کچھوچھوی علیہ الرحمہ سے بیعت تھے اور مسلک اعلیٰ حضرت پر سختی سے کاربند اور فکر رضا کے داعی ومبلغ تھے، مکتب کی تعلیم آپ نے اپنے گاؤں کے ادارہ "مشتاق العلوم" شبرام پور میں حضرت مولانا الطاف حسین صاحب، منشی عبد السبحان صاحب اور منشی صغیر الدین صاحب سے حاصل کی، فارسی اور ابتدائی عربی کی تعلیم اپنے برادر اکبر حضرت مولانا محمد اسماعیل نوری صاحب سے ہر تھلہ مرادآباد میں اور عربی اولی سے کافیہ تک کی تعلیم "دارالعلوم اسلامیہ" شری ڈونگر گرچورو راجستھان میں اپنے برادر کبیر ہی سے حاصل فرمائی، اس کے بعد درس نظامی کی تعلیم جامعہ منظر اسلام بریلی شریف میں مکمل کی اور سند فضیلت سے مشرف ہوئے، کچھ مہینے ناسک میں امامت پر مامور تھے پھر تاحین حیات کرناٹک کے مختلف اضلاع میں خدمت دین وشریعت میں ہمہ تن مصروف رہے، زیادہ تر خدمات سرزمین ہبلی کو حاصل رہیں، اسی سال قبل رمضان اپنے گھر پر تھے وہیں طبیعت کچھ ناساز ہوئی، بغرض امامت وعلاج ہبلی تشریف لائے لیکن دن بدن طبیعت بگڑتی چلی گئی، ہفتوں ہاسپیٹل میں زیر علاج رہے، بالآخر 23/ جون 2021/ بروز بدھ آپ اس دنیاے فانی سے رخصت ہوگئے، بذریعہ طیارہ جسد خاکی وطن عزیز بھیجا، گیا غالباً 25/ جون کو تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ وتدفین کا کام عمل میں آیا، پسماندگاں میں آپ کی اہلیہ اور چھ لڑکے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ کریم بلا حساب حضرت کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

مولانا خورشید عالم نعیمی نور اللہ مرقدہ: بڑی خوبیوں کے حامل تھے

حضرت مولانا محمد شارب ضیا رضوی مصباحی: رکن آئینۂ ہند اکیڈمی، اتر دیناج پور، بنگال

حضرت مولانا محمد خورشید عالم صاحب نعیمی [نور اللہ مرقدہ ووسع اللہ ثراہ] صوبہ بنگال، ضلع اتر دیناج پور، علاقہ گوال پوکھر کے تعلیم وترقی سے آراستہ گاؤں "بگڑا گاچھی" کے متوطن تھے۔ آپ نے اپنے گاؤں ہی کے ادارہ "مدرسہ نور الاسلام" میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ جہاں حضرت مولانا بشیر الدین صاحب، حضرت مولانا عبد السبحان صاحب، حضرت مولانا کفیل الدین صاحب، حضرت مولانا غفران صاحب اور حضرت مولانا عمران صاحب علم وادب کی دولت لٹا رہے تھے۔ ناظرۂ قرآن کریم اور ابتدائی اردو کی تعلیم کے بعد فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آپ نے ہجلہ منڈیل علاقہ بائسی پورنیہ کا رخ کیا اور وہاں دو سال فارسی اول اور فارسی دوم کی تعلیم مکمل فرمائی۔ بعدہ ابتدائی عربی تعلیم کے لیے علاقہ اتر دیناج پور کے مرکزی ادارہ "الجامعۃ الحفیظیہ سراج العلوم" راسا کھوا بازار میں داخلہ لیا۔ مناظر اہل سنت قاضی اتر دیناج پور حضرت علامہ مفتی محمد ذوالفقار علی رشیدی مصباحی، فقیہ عصر حضرت علامہ مفتی محمد شعیب عالم صاحب نعیمی اور عمدۃ الاساتذہ حضرت علامہ محمد شمیم احمد صاحب رشیدی مصباحی دام ظلہم العالی اس ادارے کے اجلہ اساتذہ میں سے تھے۔ درجۂ اولی سے لے کر رابعہ

تک انہی حضرات سے آپ نے بڑے شوق اور لگن کے ساتھ اکتساب فیض کیا۔ پھر اعلیٰ تعلیم کی غرض سے اتر پریش کے معروف شہر ”مرادآباد“ کا سفر کیا، ملک ہند کے مشہور ترین ادارہ، باغ صدر الافاضل ”الجامعۃ النعیمیہ“ میں درجہ خامسہ میں داخلہ لیا اور درجۂ فضیلت تک کی تعلیم موقر اساتذہ کی نگرانی میں مکمل فرمائی اور سند فضیلت سے نوازے گئے۔ فراغت کے بعد علی گڑھ کے علاقے میں کسی مسجد میں ایک سال تک امامت کے فرائض کی انجام دہی کے ساتھ بچوں کی ابتدائی تعلیم وتربیت کا فریضہ بھی انجام دیا۔ اس کے بعد کرناٹک کے مختلف علاقوں میں امامت وخطابت اور تدریسی خدمات کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ سال رواں صوبۂ کرناٹک کے داونگیرہ علاقے میں امامت وخطابت کی ذمہ داری نبھا رہے تھے۔ رمضان شریف میں سردی بخار کے مریض ہوئے، پھر کچھ افاقہ بھی ہوا، اچانک 4/ جون 2021ء بروز جمعرات تکلیف بڑھ گئی، مسجد کے ذمہ داران بغرض علاج ہاسپیٹل لے جانے لگے کہ بوقت عصر راستے ہی میں قضاے الٰہی سے انتقال کر گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

کرونا کا دل دہلا دینے والا ماحول تھا، مرحومین کی جسد خاکی اہل خانہ کو ملنا مشکل ترین کام تھا، لیکن صوبہ بنگال کے علماے کرام [جو کرناٹک کے مختلف علاقوں میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں] کی کوششوں اور مسجد کے ذمہ داران کی محنتوں سے آپ کے جسد خاکی کو بذریعہ طیارہ وطن عزیز بھیجا گیا اور 6/ جون بروز ہفتہ آپ کے آبائی گاؤں میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، کثیر تعداد میں لوگوں نے جنازے کی نماز میں شرکت کی اور نم ناک آنکھوں سے آپ کو سپرد خاک کیا۔ دعا ہے کہ اللہ کریم مولانا مرحوم کی تمام لغزشوں کو معاف فرمائے۔ آپ کی تعلیم وتعلم اور آپ کی تمام خدمات کو صدقہ جاریہ اور بلندی درجات کا سبب بنائے۔ آمین۔

مولانا فریاد حسین رضوی نور اللہ مرقدہ بھی داغ مفارقت دے گئے

حضرت مولانا محمد شارب ضیا رضوی مصباحی: رکن آئینۂ ہند اکیڈمی، اتر دیناج پور، بنگال

امسال کورونا کے ہنگامی حالات میں اتر دیناج پور کے جن جواں سال علماے کرام کا وصال ہوا ان میں ایک نام حضرت مولانا فریاد حسین رضوی نور اللہ مرقدہ کا ہے، موصوف کرن دیگھی تھانہ کے تحت واقع گاؤں کوئیلارا سے تعلق رکھتے تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے ادارے میں حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم الجامعۃ الحفیظیہ راساکھوا، اتر دیناج پور، تنظیم المسلمین بائسی، پورنیہ بہار، دار العلوم اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد مئو سے حاصل کیا، پھر جامعہ منظر اسلام بریلی شریف سے 2000ء میں فراغت حاصل کی۔

فراغت کے بعد 2001ء سے 2015ء تک دار العلوم عظمتیہ رضویہ راجمنڈری، ایسٹ گوداری، آندھرا پردیش اور مدرسہ تعلیم القرآن نزد ڈولو ویسٹ گوداوری آندھرا پردیش میں تدریسی فرائض انجام دیے، 2020ء سے رائے گنٹور ضلع میں امامت کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

مولانا فریاد حسین رضوی طبعی طور پر سنجیدہ، ہنس مکھ، خوش اخلاق تھے اور پوری ذمے داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیا کرتے تھے، قضاے الٰہی کے مطابق رمضان المبارک 1442ھ کی اکیسویں شب کو وجے واڑہ آندھرا پردیش میں آپ کا انتقال ہو گیا، آپ کا وصال اہل وعیال اور جملہ احباب ومتعلقین سمیت علماے اتر دیناج پور کے لیے ایک بڑا نقصان ہے، اللہ جل شانہ آپ کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

مولانا ذاکر حسین فاروقی کی رحلت سے حلقۂ علم و ادب سوگوار ہے

مولانا شارب ضیا رضوی مصباحی: رکن آئینۂ ہند اکیڈمی، ضلع اتر دیناج پور، بنگال

حضرت مولانا ذاکر حسین فاروقی علیہ الرحمہ علاقہ گوالپوکھر، گوا گاؤں انچل کے تحت واقع "ڈانگی پارہ" گاؤں سے تعلق رکھتے تھے، مولانا مرحوم ایک بہترین نقاد اور متحرک وفعال عالم دین تھے، کچھ برسوں سے شوشل میڈیا میں علاقائی حالات اور جلسہ وجلوس بالخصوص پیشہ ور خطبا و شعرا کی بے راہ رویوں اور دینی جلسوں کے بگڑتے حالات پر مسلسل لکھ رہے تھے، نقد وجرح میں آپ ہمیشہ تعمیری فکر پیش کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ شوشل میڈیا میں آپ کے چاہنے والوں کا ایک بڑا حلقہ تھا، بڑے بڑے اہل قلم اور اصحاب فکر وبصیرت آپ کی سلسلے وار تحریروں پر مثبت تبصرے رقم فرماتے۔

آپ ابتدائی عمر میں ہی بنارس چلے گئے، مدرسہ مدینۃ العلوم جلالی پورہ بنارس میں دو سال رہ کر ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر جامعہ فاروقیہ ریوڑی تالاب بنارس میں داخلہ لیا اور فضیلت تک کی تعلیم وتربیت اجلہ اساتذہ کرام بالخصوص حضرت علامہ سید شاہ اصغر امام قادری مصباحی، حضرت علامہ عبد الہادی خان صاحب، حضرت علامہ داؤد علیہ الرحمہ املیہ دیناج پور اور حضرت علامہ اخلاق احمد برکاتی سے حاصل کی، فضیلت کی دستار وسند سے مشرف ہو کر خدمت دین کے لیے کیکری راجستھان پہنچے اور مسلسل دس سال تک ایک ہی جگہ امامت وخطابت کی گراں مایہ خدمات انجام دیں، دو سال کرناٹک میں بھی رہے پھر چاہنے والوں کے اصرار پر دوبارہ پرانی جگہ کیکری پہنچ گئے اور تاحین حیات خدمت دین وشریعت سے وابستہ رہے، رمضان شریف سے پہلے بصحت وعافیت اپنے وطن مالوف اتر دیناج پور پہنچے اور ہنسی خوشی چند ایام آپ نے اپنے گھر والوں کے ساتھ گزارا، شروع رمضان میں اچانک بخار آیا، چند مقامی ڈاکٹروں سے علاج کرایا، لیکن افاقہ نہ ہوا، بہتر علاج کے لیے اسلام پور ہاسپیٹل میں اڈمٹ ہوئے لیکن وہاں بھی جاں بر نہ ہو سکے اور 25/ اپریل 2021ء/12/ رمضان المبارک 1442ھ بروز اتوار ہاسپیٹل میں ہی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، ہر چہار جانب کرونا کی وبا پھیلی ہوئی تھی، لوگ خوف ودہشت میں تھے، سرکاری کارکنان کسی بھی صورت میں جسد خاکی اہل خانہ کے سپرد کرنے کے لیے تیار نہیں تھے، اللہ کریم سابق ایم ایل اے جناب علی عمران رمض [وکٹر] صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہی کی کوششوں سے آپ کے جسد خاکی کو اہل خانہ کے حوالے کیا گیا اور اسی دن تجہیز وتکفین کا کام عمل میں آیا اور جنازہ کی نماز پڑھ کر ہزاروں لوگوں نے پر نم آنکھوں سے سپرد خاک کیا، پسماندگان میں آپ کی اہلیہ اور دو صاحب زادے اور دو صاحب زادیاں ہیں، آپ کے صاحب زادے محمد عتیق الرحمٰن سلمہ فی الوقت جامعہ فاروقیہ بنارس میں جماعت خامسہ میں زیر تعلیم ہیں، دعا کریں کہ اللہ رب العزت اس بچے کو اپنے والد مرحوم کے لیے مغفرت کا ذریعہ بنائے اور مولانا مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے، آمین۔

جواں سال عالم دین مولانا اختر رضا بھی چل بسے

مفتی عثمان غنی اشک مصباحی: ٹھوٹھی پاکھر، ضلع اتر دیناج پور، بنگال

مولانا محمد اختر رضا ابن جناب ادریس عالم کی ولادت باسعادت 10/ مئی 1971ء کو ایک دین دار متوسط گھرانے میں، ٹھوٹھی پاکھر، گوال پوکھر، اتر دیناج پور میں ہوئی۔ ابتدائی اور بنیادی تعلیم گاؤں کے مکتب میں حاصل کی۔

اعلی تعلیم کے حصول کے لیے جامعہ قادریہ، رچھا، بریلی شریف میں داخلہ لیا اور مفتی عقیل مصباحی، علامہ صغیر احمد جو کھنپوری اور دیگر اساتذۂ فن کی زیر نگرانی انتہائی عرق ریزی اور محنت و لگن کے ساتھ رابعہ تک تعلیم حاصل کی پھر دارالعلوم افضل المدارس الہ آباد میں فضیلت تک ماہر اساتذہ کی نگرانی میں تحصیل علم کرتے رہے اور اسی ادارے سے 2004ء میں دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

فراغت کے بعد جام نگر، گجرات میں تقریبا تین سال تک خلوص وللّٰہیت کے ساتھ امامت کا فریضہ انجام دیا پھر وہاں سے کرناٹک، ہنگل شریف تشریف لے گئے اور 2020ء تک وہیں امامت اور تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔

پھر کرناٹک سے حیدرآباد تشریف لے گئے 2020ء اور 2021ء میں حیدر آباد ہی میں خدمت انجام دے رہے تھے۔ آپ انتہائی خلیق وملنسار، خوش مزاج و خوش گفتار اور پاکیزہ اخلاق و کردار کے حامل تھے۔ علمی فضل و کمال کے ساتھ ساتھ گوناں گوں اوصاف حمید رفیعہ سے متّصف تھے، انتقال سے تقریبا تین دن قبل طبیعت ناساز ہونے کے سبب آپ کو حیدرآباد سے گھر لایا جا رہا تھا، دوران سفر راستے ہی میں برضاے الٰہی 17/ رمضان المبارک 1442ھ مطابق 30/ اپریل 2021ء بروز جمعہ بعد جمعہ چار صاحبزادوں، ایک صاحب زادی، والدین اور احباب واقارب کو روتا بلکتا چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔

اللہ تعالی ان کی بے حساب مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں مدنی حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا میٹھا پڑوس نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ سید الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

سوگوار: عثمان غنی اشک مصباحی ٹھوٹھی پاکھر

حضرت مولانا ایوب عالم نعیمی نے داعی اجل کو لبیک کہا

مولانا شارب ضیا رضوی مصباحی: رکن آئینۂ ہند اکیڈمی، ضلع اتر دیناج پور، بنگال

حضرت مولانا ایوب عالم نعیمی علیہ الرحمہ ضلع اتر دیناج پور تھانہ کرن دیگھی راساکھوا پنچایت کے بڑا دھوتا نامی گاؤں کے رہنے والے تھے، موصوف نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے مکتب میں حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب بائسی نوکانی اور حضرت مولانا محمد اختر حسین کوئیلارا سے حاصل کی، ابتدائی فارسی و عربی تعلیم کے لیے 2003ء میں الجامعۃ الحفیظیہ سراج العلوم راساکھوا ضلع اتر دیناج پور میں داخلہ لیا اور اعدادیہ سے رابعہ تک کی تعلیم اجلہ اساتذہ سے یہیں حاصل کی، پھر اترپردیش کے مشہور ادارہ ''الجامعۃ النعیمیہ'' مرادآباد تشریف لے گئے اور خامسہ تا فضیلت ماہر اساتذہ کی بارگاہ کا خوشہ چیں ہوئے اور 2010ء میں جامعہ کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر خلعت و دستار سے نوازے گئے۔ فراغت کے بعد نوادہ خاص پر سونی ضلع گوپال گنج بہار بحیثیت امام و خطیب خدمات انجام دینے لگے اور آٹھ نو سال تک ایک ہی جگہ آپ نے دین متین کی خدمت کی، امامت و خطابت کے ساتھ مکتب کے بچوں کی تعلیم کی ذمہ داری بھی تھی نیز اسکول میں اردو ٹیچر کی حیثیت سے بھی آپ نے برسوں کام کیا، سال رواں قبل رمضان نزلہ و بخار کی شکایت ہوئی، کئی دنوں تک بخار رہا، ہر طرف کرونا کرونا کی آواز پھیلی ہوئی تھی، گھبرا کر مولانا تعلق حسین نعیمی ہریا کو ساتھ لے کر سات رمضان شریف کو گوپال گنج سے اپنے وطن روانہ ہوئے، گھر پہنچ کر کچھ افاقہ بھی ہوا، لیکن اچانک 12/ رمضان المبارک 1442ھ بروز اتوار صبح ساتھ بجے آپ ہم سب کو داغ مفاقت دے گئے، بعد نماز ظہر مناظر اہل سنت حضرت علامہ مفتی محمد ذوالفقار علی رشیدی مصباحی صاحب قبلہ نے جنازے کی نماز پڑھائی اور تدفین کا کام عمل میں آیا۔ دعا ہے کہ اللہ کریم مولانا مرحوم کی قبر پر رحمت و غفران کی بارش نازل فرمائے۔ آمین۔

منظومات

سامان مغفرت

زلف واللیل ہٹا دیجے مدینے والے
روے والشمس دکھادیجے مدینے والے
دل کے آنگن میں اندھیرا ہے نہ جانے کب سے
شمع الفت کی جلا دیجے مدینے والے
میرے سرکار مجھے کر کے غلامی میں قبول
مجھ کو انمول بنا دیجے مدینے والے
گرمیِ حشر جلاتی ہے بدن اُمت کا
اپنے دامن کی ہوا دیجے مدینے والے
جاگتی ہے مری آنکھوں میں تمنائے لقا
پیاس آنکھوں کی بجھادیجے مدینے والے
دست شفقت مرے سینے پہ پھرا کر للہ
میرا ایمان سجا دیجے مدینے والے
میں گنہ گار ہوں لیکن جو بھی ہوں آپ کا ہوں
باغ جنت کا دلادیجے مدینے والے
نعت محسنؔ سے مدینے میں بلاکر سن لیں
حوصلہ اس کا بڑھادیجے مدینے والے

محسن دیناج پوری
ڈائریکٹر وجدان نیشنل اسکول، گلاب پارہ بازار،
پوسٹ عمل جھاڑی اسلام پور اتر دیناج پور

نعت پاک

خواہش ہے لکھوں خامۂ طوبٰی سے کبھی نعت
زم زم سے زباں دھوکے پڑھوں آقا تری نعت
حسان نے جو عشق ومحبت سے کہی نعت
للہ سنادو کوئی محفل میں وہی نعت
آتا ہے مزہ کتنا بتاؤں میں یہ کیسے
لگتی ہے زباں پر کوئی مصری کی ڈلی نعت
ذرات زمیں عرش بریں چاندستارے
پڑھتے ہیں عقیدت سے محبت سے سبھی نعت
الہام خداوندی جو ہوتا ہے کسی پر
تب جاکے وہ کہتا ہے عقیدت سے بھری نعت
تب تک وہ گزرتے نہیں دنیا سے ہمارے
جب تک نہ پڑھے سال مہینہ وصدی نعت
ہو جائے نثارؔ اتناکرم مجھ پہ بھی اے کاش
میں دیکھ کے اک بار کہوں روے نبی نعت

نثار دیناج پوری
صدر انجمن فروغ علم وادب گوال پوکھر
اتر دیناج پور مغربی بنگال

❁❁❁

اصحاب فکر وقلم سے گزارش

اپنے علمی، فکری، تحقیقی وتجزیاتی مضامین ومقالات، منظومات، مکتوبات ان پیج یا ایم، ایس ورڈ اور یونی کوڈ کے کسی بھی فارمیٹ میں ہمیں درج ذیل ای میل آئی ڈی اور واٹسپ پر بھیجیں۔ واٹسپ نمبر:9473927746

paighamemustafa2018@gmai.com /sajid.misbahi@gmail.com

The Paigham-e-Mustafa Quarterly

Under Management: **Tanzim Ashiqane Musstafa,** Shahpur Bazar
P.S. Goalpokher, Uttar Dinajpur, West Bengal - 733210
E-mail:paighamemustafa2018@gmail.com